جلد: بیسویں

رسالہ نمبر 3

الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة ۱۳۰۷ھ

چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب

پیشکش: مجلسِ آئی ٹی (دعوتِ اسلامی)

الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ ۱۳۰۷ھ

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

مسئلہ ۲۹۳:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ماقولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ وشراء حصر المساجد وزیت قنادیلہ وغیر ذٰلك من القربات التی لا تملیك فیھا۔ فھل ہو جائز والصرف الی تلك الوجوہ سائغ ام لا۔ بل یکون صدقۃ واجبۃ لایصرف الا فی مصارفھا افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب: الحمد للہ وبہ نستعین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ ما تقرب

خلاصۃ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"

مسئلہ: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کے لئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت مسجد کے لئے چٹائی، روشنی وغیرہ کار ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے، جائز یا ناجائز؟ اور ایسا پیسہ ان مصارف میں صرف ہوسکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بینوا توجروا

جواب: اللہ تعالٰی کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں درود وسلام سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر،

الی الله تعالٰی بالقرابین،نعم اذا باعه بالدراہم لالمال یتمول او ربح یتحصل،بل لیصرفه الی وجوہ القرب،ومرضات الرب،جازله ذالك وان لم یوجد تملیك ھنالک،فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیك من الفقیر ولذا جازت الاباحة ولو لغنی۔

والمعنٰی المانع فی البیع انما ہو التصرف علی قصد التمول کما نص علیه الائمة الاعلام،قال فی الھدایة لایشتری به مالا ینتفع به الاباستھلاکه کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراہم والمعنی فیه انه تصرف علی قصد التمول[1] اھ۔

وفی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر لا یبیعه بالدراہم لینفق الدراہم علی نفسه وعیاله والمعنی انه لا یتصرف علی قصد التمول[2] اھ ومثله فی البنایة شرح الھدایة للعلامة البدر وغیرہ من اسفار العلماء، الغر،

جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں،قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو بلکہ کار ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو،تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے،اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو،کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کار ثواب ہی ہے۔ فقیر کو مالک بنانا نہیں،اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے۔

اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو،اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

مسئلہ کے جزئیات:"قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا(کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے)دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کار ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا"۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:"روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ جب وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرکے کہ یہی "تصرف علی

---

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

وظاھر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شیئ فلا وجه لمنعه بل ہو قربة لکونه فعل لا جل قربة. فیکون اقامة للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجه المنھی، الاتری الی ماقال الامام العلامة فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لو باعھا بالدراہم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق[3] اھ فانما علل الجواز بکونه قربة، ومانحن فیه ایضا کذلک، فیکون مثله فی حکم الجواز بکونه قربة، ومانحن فیه ایضا کذلک، فیکون مثله فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انه لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث اٰخر مایوجبه عینا بخلاف ما اذا باع بالدراہم لینفقھا علی نفسه وعیاله حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنه۔

اقول: والسر فی ذٰلك مایستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربة فی الاضحیة انما تقوم باراقة الدم لوجه اللّٰه

وجه المتمول" ہے" یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے۔تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہوجانے والی چیز کے بدلے میں ہو اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو بدرجہ اولٰی جائز ہونا چاہئے۔

علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں: "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ کار ثواب ہے۔ جیسے گوشت ہی صدقہ کردیتا۔" امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقًا کار ثواب بتایا، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے۔ جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی چیز پیدا بھی نہ ہوئی۔ ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بالاق مصر ۶/ ۹

تعالٰی فمالم یرق لایجوز الانتفاع بشیئ منه حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلك لانه نوی اقامة القربة بجمیع اجزائها فاذا اقیمت وحصل المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع الوجوہ۔بیدانه لما کان شیئا تقرب به الی المولٰی سبحٰنه وتعالٰی،والتقرب والتمول ضدان متباینان لایلتئمان فقد خرج بذٰلك عن جهة التمول بحیث لاعود الیه ابدا فاذاقصد بشیئ منه التمول فقد خالف واورث ذٰلك خبثا فی البدل، وایما مال حصل بوجه خبیث فسبیله التصدق اما القربات فلا تنا فی التقرب بل تحققه ولا تورث خبثا بل تزهقه فمن این تحرم وتجب تصدقه،قال الامام العینی فی البنایة المعنی فی اشتراء مالاینتفع به الابعد استهلاك انه تصرف علی قصد التمول وہو قد خرج عن جهة التمول فاذا تمولته بالبیع وجب التصدق لان ہذا

انتفاع کے لئے ہو،وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے۔کہ اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے۔اور یہ شرعا منع ہے۔اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل کار ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے۔اسی لئے جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقًا منع ہے۔حد یہ ہے کہ اون اور دودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں،نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو،اور جب اصل غرض حاصل ہو گئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہوگیا،لیکن قربانی شدہ جانور کو کلًا یا بعضا کسب زر کے لئے بیچنا اس کی قرابت اور کار ثواب سے پھیر کردینے کی طرف موڑ دینا ہے۔اور کار ثواب اور حصول زر میں منافات ہے۔اسی لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگی اور جو روپیہ اس طرح حاصل ہوگا وہ مال خبیث ہوگا اور مال خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے۔اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی منافات نہیں کہ یہ بھی کار ثواب اور وہ بھی کار ثواب،تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے تو اس سے حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی،لہٰذا یہ بیع بھی حرام نہ ہوگی،اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بنایہ میں ارشاد فرمایا:"جس چیز سے انتفاع اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثا،فیجب التصدق[4] اھ وبہ تبین وان کان عـــہ بینا بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا والالما جاز البیع بالدراہم بنیۃ التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وہو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذذاك لازالۃ الخبث والخروج عن المأثم لا لاکتساب الثواب و التقرب الی رب الارباب ولایجوز لہ فیہ رجاء القبول، فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب[5]،ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیالہ کما صرحوا بہ وہذا کلہ باطل بالبداہۃ	تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے۔تو جب سے بیع کے کسب زر کیا اس کا صدقہ واجب ہوا،اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو خبیث ہوئی،اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا" **سوال وجواب:** یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے۔اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے۔ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے یہ بھی بیع بطور تمول ہے تو کار ثواب کے لئے بھی اس طرح بیچنا بطور تمول ہوا۔جس کو ناجائز ہونا چاہئے۔اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔ جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کررہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آنا

عـــہ:فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیئاتہ علی تحصیلہ لنفسہ کمالایخفی ۱۲ منہ قدس سرہ	کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ،

[4] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الاضحیہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۴/ ۱۹۰

[5] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

فثبت ان لیس کل تبدل بمستهلك تمولا و ان البیع للتصدق خارج عنه فکذا السائر القرب اذلا فارق یقضی بکون ہذا تمول وذاك غیره ومن ادعاه فلیات ببرهان علی دعواه ولم یقدر علیه ان شاء اللہ۔	چاہئے۔اور اس کو حرام ہونا چاہئے،اور اس کا تصدق بلانیت ثواب ضروری ہونا چاہئے جو مال خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ ہونا چاہئے اور یہ سب باطل ہے۔کیونکہ یہاں تصدق اور طلب ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی،

پھر بھی امام عینی نے اس کو جائز قرار دیا،توثابت ہوگیاکہ مستملک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی۔

فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فکذا البیع له تقدیر آخر اشمل و اظهر لبیان الفرق تظهر به المسائل جمیعا ان شاء اللہ تعالٰی۔ **قلت** کذلك البیع للتقرب مثل القرب والتقرب جائز فکذا البیع له بل یلزم علیه جواز البیع للاکل ایضا لجواز الاکل بنص القراٰن العظیم فالحق فی التعلیل ماقدمنا عن الامام الزیلعی من انه قربة [6] وحینئذ لابد من کلیة الکبرٰی القائلة بان کل قربة تجوزبهنا ینتج ان البیع للتصدق یجوز بهنا وبه یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعة النهار هذا وللعبد الضعیف لطف به القوی اللطیف	**ایک اور سوال وجواب**:اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تواس کاوسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہٖ دیگر کار ثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کار ثواب جائز ہیں،تواس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہئے بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہئے۔مثلاً غلہ کے عوض کھال بیچیں اور غلہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ،اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا،تو یہ بیع بھی جائز۔حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اصل علت جواز یہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

[6] تبیین الحقائق کتاب الاضحیه المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

تقریر آخر اشمل و اظهر لبیان الفرق تطهر به المسائل جمیعا ان شاء الله تعالٰی۔**فاقول**:وبالله التوفیق الجهات ثلث الاکل والادخار والائتجار وهو طلب الاجر بای وجه کان فقد اخرج ابوداؤد فی سننه بسند صحیح رواته کلهم من رجال الصحیحین ما خلا مسددافثقة حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشه الخیر الهذلی رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انا کنا نهینا کم عن لحومها ان تاکلوها فوق ثلث لکی تسعکم جاء الله بالسعة فکلوا وادخروا وائتجروا الا وان هذا الایام ایام اکل و شرب وذکر الله عزوجل [7]اھ والائتجار باطلاقه یشتمل التصدق وسائر وجوه التقرب کما لایخفی فان فسره مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامه بالمعنی الاعم علی ماسیأتیك تحقیقه ان شاء الله تعالٰی۔	کہ حصول زر اور تمول کی غرض سے بیع ناجائز ہے۔اور مقاصد خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا: "لانه قربة" (اس لئے کہ یہ کار ثواب ہے) اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغرٰی ہوا اور نتیجہ دینے کے لئے کبرٰی کا کلیہ ہونا ضروری ہے۔جو اس طرح ہوگا، ہر قربت جائز ہے تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہو گئی کہ ہر قربت اور کار ثواب کے لئے بیع جائز ہے۔ ولله الحمد **ایک دوسری تقریر**: شرعاً قربانی کے مصرف کے تین جہتیں ہیں: اکل (کھانا) ادخار (جمع کرنا) ایتجار (کار ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کار ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ میں ہیں، ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، اور امام بخاری کے اساتذہ میں ہیں، الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے، اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی، اب اللہ تعالٰی نے کشادگی فرما دی، تو اب کھاؤ، جمع کرو اور کار ثواب میں صرف کرو۔ سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں" تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کار ثواب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔

[7] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری ومسلم وغیرہم عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا[8]. فلیحمل الائتجار علی التصدق لاتحاد الحکم والحادثۃ۔

قلت کلا فان الامر ہہنا لیس للوجوب باجماع عامۃ العلماء الامۃ، منہم ساداتنا الائمۃ الاربعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشیئ منہ لا شیئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینا فی الترغیب و الترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔ وسر المقام ان الحمل عندنا ضروری لایصار الیہ الا لضرورۃ وہو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بہما اما حیث لا تمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاہرہ وعملا بالدلیل بتمامہ قال المولی المحقق علی الاطلاق

سوال وجواب: اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کار ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدق کرنا ہے۔ تو ہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امور خیر کو عام ہے۔ اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری ومسلم وغیرہ کتب احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے۔ تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کار ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے۔ اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا لہذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب ومستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

---

[8] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

محمد بن الھمام قدس سرہ فی فتح القدیر اجیب عنابانا انما نحمل فی الحادثة الواحدۃ للضرورۃ[9] الخ. وقال فی تشیید ہذا الجواب تحقیقة ان الحمل لما یجب الا للضرورۃ وہی المعارضة بین المطلق والمقید[10] الخ۔ فالمناط عند التنقیح ہو التمانع دون اتحاد الحکم والحادثة۔	خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم وواقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے لہٰذا مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد لیں گے اور جس میں مطلقًا کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا رمزیہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے" تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقًا اتحاد حکم وحادثہ نہیں بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

یجزم بذلك من عاشر عرائس نفائس عباراتھم فقد حکموا ان لا حمل ان وردا فی السبب اذ لا تجاذب فی الاسباب والا ان کان منفیین لامکان الجمع بالامتناع مطلقًا وانہ یجب الحمل ان اتیا فی حکمین مختلفین یوجب احدہما تقیید الاخر	مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں: **(الف)** تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایک شیئ کے چند اسباب ہو سکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضروت نہیں۔"

[9] فتح القدیر

[10] فتح القدیر

بتوسط لازم، وذٰلك كان ينفي المقيد لازم اطلاق المطلق فينتفي بانتفائه فيتقيد لامحالة كما في اعتق عني رقبة ولا تملكني رقبة كافرة فان النهي عن تمليك كافرة ينفي جواز اعتاقها عنه، اذ لا عتاق عنه بدون تمليكها عنه۔

وقد اجابوا القائلين بالحمل في الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما في التلويح وغيره، و عللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلين له بقوله تعالٰی "فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ؕ"[11] مع قرائة ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه بزيادة متتابعات، قالوا فان المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع والمقيد يوجب عدم اجزائه كما في التوضيح[12] وغيره فقد افاد وان الحمل خاص بالايجاب دون الجواز والاستحباب، ولذا

(ب) تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا، کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔

ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو، جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائے گا اگرچہ حکم مطلقًا آزاد کرنے کا ہے۔ لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا اور اسے مالک بنائے بغیر اس کی طرف سے آزاد نہیں ہوسکتا تو جس کا مالک بناسکتا ہے یعنی مسلمان کا، اسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔"

(ج) توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالٰی نے کفارہ میں مطلقًا تین روزے

---

[11] القرآن الکریم ۵/ ۸۹

[12] التوضیح ولتلویح فصل فی ذکر المطلق والمقید مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

قال المولی بحر العلوم ملك العلماء عبدالعلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، فیہ اشارۃ الی ان الحمل انما ہو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب اوالا باحۃ اذ لاتمانع فی اباحۃ المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذہ بترك القید وایجاب المطلق اجزاہ مطلقًا[13] اھ۔ قول الامام السغناقی فی النہایۃ علی مانقلہ فی البحر مقرا علیہ بل متمسکا بہ من ان الاصح انہ لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا لا فی حادثۃ ولا حادثتین حتی جوز ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طھورا ولم یحمل ہذا المطلق علی المقید وہو حدیث التراب طھورا[14] اھ فلعلہ اراد نفی زعم من زعم ان مذہب اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم وجوب الحمل عند اتحاد	رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل اس سے کچھ تعرض نہیں کیا "فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ" (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قرائت ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب۔ اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا" توان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا: **(د)** یہی بات ملا عبدالعلی بحر العلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی: "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے۔ احکام مستحبہ اور مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے۔ مطلق کو

[13] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق مادل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۳۶۲
[14] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء و المفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۹۹

الحادثة مطلقًا، فافاد ان لیس ہذا من المناط فی شیئ بل لایجوز فی حادثة ایضا ای مالم یتمانعا فیضطر الیه لدفع التعارض، الاتری ان امامنا الاعظم رضی الله تعالٰی عنه لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی ہذا التقریر لا یتجه ما اورد علیه العلامة المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سره السامی فی ردالمحتار کما اوضحته فیما علقته علیه وللعبد الضعیف ھھنا بحث شریف لو لا غرابة المقام لاتیت به۔	مقید مان لیا جاتا ہے۔ (ہ) امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایا اور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا، " صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا، دیکھو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: "ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی" یہ مطلق ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا: "التراب طھور" (مٹی پاک ہے) یہ خاص اور مقید ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا، اور اس کے سارے اجزا سے ہی تیمّم جائز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ و حکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دار ومدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے۔ اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔ اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتابوں پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان یقول ان الائتجار ہھنا لو حمل علی التصدق لکونه معه کالمطلق مع المقید فکذلك یجب حمل الاطعام الواردة وعند احمد والشیخین وغیرھم فی حدیث سلمة بن الاکوع رضی الله تعالٰی عنه کلوا واطعموا وادخروا[15]۔ و	ایک اور دلیل: یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح روایت کیا: (۱) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو) اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی،

[15] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

| عند احمد ومسلم والترمذی من حدیث بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا مابداء لکم واطعموا وادخروا[16] وعند مسلم وغیرہ من روایۃ ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کلو ا واطعموا واحبسوا وادخروا[17]، فان الاطعام ایضا مع التصدق کالائتجار مع انہ باجماع العلماء علی اطلاقہ جار للاتفاق علی اباحۃ الاباحۃ وعدم قصر الامر علی التملیك فافھم و المتأمل الموفق اذا نظر حدیث اُمنا رضی اللہ تعالٰی عنہا مع ھذا الاحادیث عـــہ الاربعۃ التی فی روعہ ان المرادثمہ بالتصدق فی المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیۃ | (۲)کلوا ما بدألکم (جتنا چاہے کھاؤ)واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو) اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے: (۳) کلوا (کھاؤ)اطعموا (کھلاؤ)احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو) حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے تو ان چاروں حدیثوں میں "کلوا" اور "ادخروا" کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا" کے بجائے اطعموا ہے۔ باور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے۔ گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا: ایتجروا، اطعموا، تصدقوا، اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی |

| عـــہ۱: ای احادیث نبیشہ وسلمۃ وبریدۃ وابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲منہ قدس سرہ۔
عـــہ ۲: ظنی انہ لابدھھنا من لفظ علیہ(ای یجب حمل الاطعام الواردۃ فی الاحادیث علی التصدق) | یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم کی احادیث، ۱۲منہ قدس سرہ۔ (ت)
میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ" کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔ (ت) |

[16] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصۃ فی اکلہا بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲

[17] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۹

کماسیردعلیك تحقیقه ان شاء اللہ تعالٰی کیما تلتئم وترد موردا واحدا، و الاحادیث یفسر بعضها بعضا وباللہ التوفیق۔	حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے)

توسوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ-"ایتجروا" کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے۔ تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث "تصدقوا" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے۔ تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلادے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے۔ کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔ الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقات خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کار ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناهیك قول الامام الجلیل صاحب الهدایة فیها یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاکل والادخار کما روینا والاطعام لقوله تعالٰی "وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ"، فانقسم علیها اثلاثا[18] اھ. و معلوم ان الاطعام لایقتصر علی التملیك لالغة ولا شرعا وقد اجمعوا ابهنا علی	تائید مزید: اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی عبارت ہی کافی ہے۔ جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں: کھانا، اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ" (کھلاؤ صابر اور مانگنے

[18] الهدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۲۲۸

جواز الاباحة بل نصوا ان کل ماشرع بلفظ الاطعام جاز فیه الاباحة لما سیأتی فاین تعیین التملیك تدعون، ثم رأیت العلامة الاتقانی فی غایة البیان قال فی شرح ہذا الکلام وذٰلك لان الایة والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخال فکانت الجهات ثلثا فانقسمت علیها اثلاثا[19] اھ ومعلوم ان لیس فی الایة الا لفظ الاطعام المجمع علی شموله للاباحة، وقد عبر عنه بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ھھنا ہو المحمول علی الائیتجار دون العکس واللہ الموفق۔	والے فقیر کو) توجب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کردیا جائے" اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعدوالی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں۔اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں، نہ شرعا نہ لغۃ، بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز نہ رکھا، بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی، امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: "قرآن وحدیث نے جب کھانا، صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا تو جہتیں تین ہوئیں، لہٰذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہئے"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے۔اور اس سے ہر قسم کا کار خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورة الحج من مستدرك بطریق زیدن الحباب عن عبداللہ بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له[20]۔	ایک شبہ اور اس کا جواب: امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورہ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے، امام بیہقی نے بھی سنن کبرٰی میں اسے نقل کیا، حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا، لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی، جو کچھ بھی ہو یہ

[19] غایة البیان

[20] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورة الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ورواہ البیھقی ایضا فی سننه الکبرٰی،قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ[21]۔

قلت وھذا وان ردہ الذھبی فی التلخیص فقد تلقاہ العلماء بالقبول و بھذا یتقوی الحدیث وان ضعف سندا،بیدانھم کما تری لایجرون علی اطلاقه فقد اتفقوا علی جواز البیع للتصدق،ونص ائمتنا فی الصحیح عندھم علی جواز البیع بما یبقی فکان الشان فی تنقیح معنی الحدیث،**وانا اقول** وباللّٰه التوفیق من تأمل نظم الحدیث وامعن النظر فی القواعد الفقھیة والجأہ ذٰلك الی الجزم بان المراد بیع خاص لامطلق التبدل کیفما کان،کیف وان التصدق من مقاصد لاضحیة المأذون فیھا شرعا، وان للبدل حکم المبدل وقد ثبت شرعا جواز دفع القیمة فی زکوٰۃ وفطرۃ ونذرو کفارۃ کما نص علیه فی الھدایة والکافی والکنز والتنویر وغیرھا عامة کتب المذھب،فاذا جاز ہذا۔والصدقات واجبة۔فلان یجوز وھی نافلة اولی فافھم، اماعدم جواز ذلك فی الھدایة والضحایابان لایریق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے۔اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنادیتی ہے۔الفاظ حدیث یہ ہیں:من باع جلد اضحیته فلااضحیة له(جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں)

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی اس حدیث کی رو سے ناجائز ہوئی،تواس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی،داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کرسکتے،اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے۔ اور از روئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا، چنانچہ زکوۃ فطرہ میں جس طرح اصل(غلہ چاندی سونا وغیرہ)ادا کرنا جائز ہے۔اسی طرح اس کی

---

[21] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ویعطی القیم .فان القربة فیها بالاراقة دون التصدق، وھی غیر معقولة.فلا تستبدل ولا تتقوم .کما افادہ فی الھدایة والبحر وغیرھما.ثم انا نجد الجزاء ای فلا اضحیة له [22]اعظم شاھد علی عدم الاطلاق.فان من باع للتصدق فقد اتی بما کان مندوبا الیه فی الاضاحی، فکیف یجازی بانتفاع قربة مع انه لم یزد علی القربة الا قربة مطلوب فی خصوص المحل، و قضیة الجزاء .ترتبه علی فعل ینافی التضحیة وینفی الاضحیة علی مافیه من التاویل لکونه فی معنی الرجوع عن القربة.فلا یمکن ان یکون من باب القربة.بل ولا من باب الاکل والادخار فان الشرع قد رخص فیھما ایضا مثل الائتجار ولو کان فیھما ماینا فی الاضاحی ویصح ان یترتب علیه نفی الاضحیة۔لما اذن فیھما فعند

قیمت بھی،تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اس کی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو۔

ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب: اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعا جائز نہیں،قربانی ہی کرنی ہوگی،اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل ہوتا۔اور چونکہ قربانی کا حکم خلاف قیاس ہے۔اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں،جیسا کہ بحر وہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے۔اس لئے قیمت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور شرط وجزاء وار د ہوئی،شرط یہ جملہ ہے:"جس نے قربانی کی کھال بیچی"اور جزا یہ ہے:"اس کی قربانی نہیں ہوئی"

پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہوسکے،اور قربانی قربانی نہ رہ جائے،نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو،یعنی شرط ایسی بیع ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو،اور وہ بیع جو حصول ثواب

[22] المستدرك للحاکم کتاب الاضحیہ تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ذٰلك رأينا ان المراد هو البيع بحيث يخرج عن جميع مارخص له الشرع فيه، وما هو الا البيع بمستهلك لا لان يصرف الى قربة فان الاكل وهو الانتفاع به عاجلا قد ذهب بنفس التبدل والادخار عـــہ لكونه لانفع به ببقائه، والائتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوه الثلثة الشرعية، فكان هو الملحوظ بالنهى المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ماينتفع به باقيا فالاكل وان فقد والائتجار وان لم يكن فالادخار باق، لان البدل ينوب المبدل وهو مبقى فيكون مدخرا، وكذا اذا باع بمستهلك لقربة فالاكل و الادخار وان ذهب فالائتجار حاصل، وهو افضل الوجوه فلا معنى للمنع وبه ظهران مانحن فيه اولى بالجواز من البيع بباق وهو مصرح بجوازه فی عامة كتب المذهب

کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھالیا جائے، تو یہ افعال لااضحیہ لہ (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اجازت دی ہے تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کے لئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے۔ ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہو گئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لااضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔

برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل وثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے۔ اور ہلاک ہونیوالی چیز سے برائے ثواب

عـــہ: الادخار الائتجار کلاهما بالنصب عطفا عن الاکل ۱۲ منه قدس سره۔

ادخار اور ائتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بناپر ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

| فانکار جواز ھذا ان لیس تحکما فماذا. وانت اذا تأملت ماالقیت علیك واخذت الفطانة بیدیك وجعلت الانصاف بین عینیك لعلمت ان ہذا ہو الغنی المفھوم من الحدیث فی اول النظر کما بعد الطلب الحثیث فان المتبادر من سیاق اللفظ ان یکون بیعه عــــہ لاتنفاع لانه عقد موضوع | بیچا تو اکل وادخار تو ضرور منتفی ہوا۔ لیکن طیب ثواب بھی باقی ہے۔ اور یہ ان وجوہ ثلثہ میں سب سے افضل ہے۔ تو یہ جائز ہوگا، اور اس کا انکار زیادتی اور زبردستی ہے، **ایک آسان بات:** یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کردی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے۔ اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ |

عــــہ: ثم بعد زمان لما من المولی سبحنه وتعالٰی علی بشراء غایة البیان للعلامة الاتقانی رایت نقل عن الامام شیخ الاسلام بکل مایشیرالی ھذا الذی نحوت الیه حیث قال قال شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمه الله تعالٰی فی مبسوطه اما اللحم فالجواب فیه کالجواب فی الجلد ان باعه بالدراھم تصدق بثمنه وان باعه بشیئ اٰخر ینتفع به جاز کما فی الجلد وانما ذکر محمد رحمه الله تعالٰی البیع فی حق الجلد دون اللحم لانه بنی الامر علی ماھو الغالب وفی الغالب کما ینتفع بعین الجلد یباع بشیئ اٰخر وینتفع به وفی اللحم فی الغالب ینتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالٰی نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خرید لینے کا، اسے میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا تو جائز ہے جیسا کہ کھال کا حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف کھال کے متعلق بیع کا حکم اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی برصفحہ آئندہ)

لذلك وہو الغالب فیه وان یکون بالدراہم لانه البیع المطلق، والبیع من کل وجه اما المقایضة فتستوی فیه جھتا البیع والشراء اما سائر المستھلکات ففی حکم الدراہم، ولذا جعلھا فی الھدایة ھی الاصل۔ وقال فی سائر ہن اعتبار بالبیع بالدراہم[23] ہذا کله ما خطر بالبال مستعجلا فانعم الفکر منصفا متاملا، فان وجدت شیئا یعرف وینکر فلم آلُ جھدا فی اتباع الغرر من ائمة النظر واللہ الھادی الی عوال الفکر۔

کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے۔اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے،اس لئے صرف لفظ باع بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنے ذات کے تمول و انتفاع کے لئے ہو۔

شبہہ اور اس کا جواب: اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے۔تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے۔اصالۃً نہیں،اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا ہے۔ اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا:اعتبار بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولا یباع[24] اھ فاشار ان المراد بالبیع ھو الذی یقصد به الانتفاع ۱۲ منه قدس سرہ۔

کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ تو اس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ۔(ت)

[23] الھدایة کتاب الاضحیه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[24] غایة البیان

(تنبیہ نفیس)اقول: وبھذا التحقیق استبان والحمد للہ معنی قول الھدایۃ"لوباع الجلد واللحم بالدراھم اوبما لاینتفع بہ الابعد استھلاکہ تصدق بثمنہ [25] اھ"فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقًا فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ونفعنا ببرکاتہ فی الاولی والاخرٰی قال اولا یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت [26] ثم قال"ولا باس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ [27]"ثم قال"ولایشتری بہ مالا ینتفع بہ الا بعد استھلاکہ [28]، وقال فی تعلیلہ" اعتبارا بالبیع بالدراہم [29]"قال"والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول [30]"ثم قال"ولو باع الجلد اواللحم [31]"الخ فکلامہ کلہ،بدؤہ وثناؤہ وفتحہ وانتھاؤہ فی البیع لاجل الانتفاع،لا مطلق البیع،فکیف ولو ارید المطلق لما ساغ قولہ"ولایشتری بہ مالا ینتفع بہ"الخ فان شراء ذٰلک لاجل التصدق جائز قطعا ولما صح قولہ"اعتبارا بالبیع بالدراھم "لمثل مابینا

عبارت ہدایہ کی تشریح: ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا، "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے" **(ا)**اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کے لئے بیچنا ہے۔ مطلقًا نہیں کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے ________ اس سے بدل بھی سکتے ہیں تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہو جائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لیے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے۔ اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنی تمول ہے تو یہ کلام ابتداء سے انتہاء تک پکار پکار کر اعلان کر رہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

---

[25] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[26] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[27] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[28] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[29] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[30] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[31] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

وبطل تعليه بانه"تصرف على قصد التمول"فليس كل بيع بالدراهم مما يصدق عليه ذٰلك كما اسلفنا تحقيقه۔وقوله"ولو باع الجلد الخ"انما ہو متفرع على تلك المسئلة فلا يراد به الاماما اريد بها،كانه لما بين عدم جوازه نشاء السوال فقيل اذا لم يجز ہذا۔ فان فعله فاعل فما ذا عليه۔فاجاب بانه يتصدق بثمنه ثم نشاء السوال بان قولكم ہذا يفيد صحة البيع فكيف بحديث"من باع جلد اضحيته فلا اضحية له"[32]فاجاب"بانه الحديث۔انما يفيد كراہة البيع اما البيع جائز لقيام الملك والقدرة على التسليم[33] اھ"وهذا دليل اٰخر على ان ليس كلام فى مطلق البيع بالدراہم،فان البيع بها لاجل التصدق لايكره اصلا،وقد بين ہذا،فابين من هنا مولانا العلامة العلائى صاحب الدر حيث قال بعد قوله المولى الغزى رحمهما الله تعالٰى"تصدق بثمنه اھ مفاده صحة البيع

والی بیع ہے مطلقًا بیع نہیں،ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنی نہ ہوں گے "مالاینتفع به"(جس سے نفع نہ اٹھایاجاسکے)اعتبارا بالبیع بالدراهم(بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے)وانه تصرف على قصد التمول(یہ تمول کی نیت سے تصرف ہوا)اور اسی کے بعد صاحب ہدایہ کی یہ متنازع عبارت "اگر جلد اور گوشت الخ"تو اس کا مطلب مطلقًا بیع کیسے ہوسکتاہے،یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے،گویا کسی نے پوچھاکہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی،اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے،تو فرمایا وہ مال خبیث ہے۔اس کا صدقہ واجب ہے۔اس پر گویا پھر کسی نے پوچھاآپ کے حکم "یہ مال خبیث ہے" سے یہ پتہ چلتاہے کہ بیع ہوئی مگر فاسد،اور حدیث مبارک "لااضحية له" سے یہ اندازہ ہوتاہے کہ یہ بیع باطل ہے۔تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ "الحديث انما يفيد الكراهة"یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں،مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے۔اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلاسکتاہے۔اس لئے بیع تو ہوگئی،مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

[32] المستدرك للحاكم كتاب التفسير(تفسير سورة الحج) دار الفكر بيروت ۲/ ۳۹۰

[33] الهداية كتاب الاضحيه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

مع الکراھۃ۔وعن الثانی باطل لانه کالوقف مجتبٰی[34]اھ فقد نص ان قول التنویر کالھدایۃ تصدق بثمنه"یفید کراھۃ البیع فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراھم، بل فی الصورۃ المکروھۃ فقط، وھی المارۃ فی قوله"لایشتری به مالا ینتفع به"الی قوله"تصرف علی قصد التمول[35] ومن اوضح الدلائل علی ذٰلك ایضا تعلیل الکافی شرح الوافی لمسئلۃ الھدایۃ بقوله"لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدله فوجب التصدق[36]اھ فافادان الکلام انما ھو فی صورۃ التمول لاغیر، ولذا جاء تصویر المسئلۃ فی التبیین ومجمع الانھر وغیرھما من الاسفار الغر بلفظه"لایبیعه

کی وجہ سے فاسد ہوئی

(۲) صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں۔

(۳) یہیں سے "صاحب در مختار" کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے قول "تصدق بثمنه" کی شرح میں فرمایا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے البتہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا، اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے۔ جو مطلب اس کا ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے۔ تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لایشتری به مالا ینتفع" سے تصرف علی قصد التمول تک میں مراد ہے۔

(۴) اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

[34] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[35] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[36] الکافی شرح الوافی

بالدراہم علی نفسه وعیاله[37]،فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوہام وہذ الدلیل رابع علی ماذکرت۔ والخامس الموتر والله یحب الوتر،ان نقل کلام التبیین فی الهندیة ثم قال"وهکذا فی الهدایة و الکافی"[38] اھ فقد افصح بملا فیه ان معنی کلام التبیین والهدایة واحد۔	"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کو تمول یعنی کسب زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا" توانھوں نے تو نص ہی کردیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے۔ کسی اور صورت میں نہیں، اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے" توانھوں نے تو تسمہ ہی لگا نہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل تھی۔

(۵) اور پانچویں صاحب ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحب تبیین کے کلام کو نقل کرکے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے" توانھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحب تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

ثم بعد زمان لما من سبحنه وتعالٰی علی عبده الضعیف بشراء غایة البیان شرح الهدایة للعلامة الاتقانی رحمه الله تعالٰی،رأیته شرح کلامه بمالم یبق للوهم مجالا،حیث قال یرید به ان القربة فاتت عن الجلد بما باعه ولکن الاضحیة ساقط عنها معنی التمول،فلما باعه بالدراہم وجب علیه التصدق بها،لئلا یلزم التمول بشیئ من الاضحیة اوبدلها[39] فأفاد کالکافی وغیرہ ان المنهی عنه	اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کردیا فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسب زر اور حصول زر کی غرض ساقط ہے۔ توجب دراہم سے اس کو بیچ دیا تو اس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے" توانھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

[37] تبیین الحقائق کتاب الاضحیه المطبعة الکبرٰی الامیریه بولاق مصر ۶/ ۸

[38] فتاوٰی ہندیه الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[39] غایة البیان

ہو البیع للتمول،وزادان المراد بیع یفوت القربة فخرج البیع لاقامة قربة،فانه لایفوتها بل یحصلها وهو تقرب لاتمول،فاتضح الصواب وزال الارتیاب،والحمدلله فی کل باب ہکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق،ومن المولٰی تعالٰی ہدایه الطریق فقد بان بنعمة الله جل وعلا ان البیع بالدراہم لیس مما یمنع مطلقًا بل اذا کان علی جهة التمول،وہوا لذی یورث الخبث وعلیه یتفرع وجوب التصدق،اما اذا باع بها لیصرف فی القربات،فذٰلك سائغ وسائر وجوہ القرب،مطلقة حینئذ لاحجر فی شیئ منها۔	کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو،اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کار ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے تو وہ بیع اس حکم ممانعت سے خارج ہوگئی جو ادائے قربت اور حصول ثواب کے لئے ہو،والحمدللہ رب العالمین۔ تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقًا بالدراہم نہیں،بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے،اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے۔اور کار ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کار ثواب کسی قسم کا ہو۔
بذٰلك افتیت غیر مرة وکتبت فیه فتوٰی مفصلة اذ سئلت عنه لتسع بقین من ذی الحجة عام الف وثلثمائة وخمس من هجرة من لولاہ ماصلیت الخمس،ولا لاح قمر ولا بزغت شمس،ولا اقبل غدو لا ادبر امس،علیه وعلی آله الغر الکرام افضل صلاة و اکمل سلام واخری مجملة اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدة الحرام فی العام الذی یلی ذٰلك العام	میں نے بارہا یہی فتوی دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتوی ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا،اور دوسرا مجمل فتوی آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں،تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں،ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقًا ناجائز ہے۔خواہ نیت کار ثواب کی ہی کیوں نہ ہو،ان کا صدقہ کرنا واجب ہے۔وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اس کا مالک بنادے،کسی بھی

وبما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعۃ فتاوٰی المبارکۃ ان شاء اللہ تعالٰی الملقبۃ بالعطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویۃ جعلھا اللہ نافعۃ للمسلمین و مقبولۃ لدی العالمین وحجۃ لعبدہ یوم الدین اٰمین الہ الحق اٰمین۔

فعند ذٰلك نازعنی شرذمۃ من الھندیین اکثرہم من الوھابیۃ المبطلین زاعمین ان البیع بالدراہم مطلقًا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز لہ الصرف الی مانوی من القرب بل لایخرج عن العھدۃ الا بالاداء الی الفقیر علی وجہ التملیك واحتج الاصاغر منھم علی ذٰلك بعبارتی الھدایۃ والدر المذکورتین وقد بینا ماھو المراد بھما واثبتنا عرش التحقیق علی انہ لامساس لشیئ منھما بمز عوم القوم ،فاغنانا ذٰلك عن الاسترسال مرۃ اخری فی رد کلامھم۔فانہ لشدۃ وھن نفسہ غنی عن ایھان غیرہ،فلئن سألتھم ہل الکلام ہھنا اعنی فی قول الھدایۃ والدر فی بیع یکرہ لافی غیر۔لیقولن نعم، ولئن سألتھم ھل البیع بالدراھم یکرہ مطلقًا لیقولن لا،قل فانی تذہبون،ولئن قالوا فی الاول لا۔ لقضت علیھم حجتھم نفسھا بالخطاء والجھالۃ ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو صرف کرنا جائز نہیں اصاغر نے توہدایہ اور درمختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی ہے،جس کا مفصل بیان اوپر گزرا توہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی،ان کی بات حد درجہ کمزور ہے۔کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور در مختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے۔یا کسی دوسرے کے بیان کے لئے،تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے پھر ان سے پوچھ کیا کھال کی بیع مطلقًا مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تواب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا،اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں،تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا،اور ثانی میں اگر کہیں ہاں،توان کی بات خود انھیں کو جھٹلارہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں،اور اگر وہ اس بیع کے جواز کاانکار کرینگے توہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

اردو	عربی
	قالوا فی الاخر نعم فکلامھم انفسھم مناد علیھم بالبھت والبطالۃ، فانھم ایضا معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراہۃ وان لم یعترفوا لاتیناہم بجنود من نصوص العلماء، لاقبل لھم بھا۔ فنابیك بھذا القدر مشبعا لھم ومزیلا لوہم عرض بالھم۔
اگر یہ جھوٹے لوگ غلطی میں پڑگئے جو موٹے اور دبلے۔ سستے اور مہنگے اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع و وسعت اطلاع کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ فتوٰی دیا اور اپنی سابقہ گمراہیوں میں اضافہ کرلیا، اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی، ہدایہ اور در کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں، لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریحی رد ہیں،	ولکنی اقول: لاغرو من نفر قاصرین لایکادون یمیزون بین الغیث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین، انما العجب من کبیرہم الگنگوہی المدعی طول الباع وعظم الذراع علی ما فیه من انواع عــــہ الابتداع حیث زاد غباوۃ علی الاتباع واخذ یتشبث بما قدمنا عبارتی العینی والکافی "انه تصرف علی قصد التمول" الی قوله "فیکون خبیثا"

عــــہ: ھذا کان اذذاك ثم ترقی به الحال فی الغوایۃ و الضلال فوقع فی الکفر البراح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الھدی نعوذ باللہ من الھلاك والردی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ العزیز۔

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید ترقی کرگیا پس وہ کفر ظاہر میں جا پڑا اور ارتداد صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ (ت)

فیجب التصدق وانه اذ تمولها بالبیع[40] الی قوله فوجب التصدق [41]فان کلامی الهدایة والدر ،وان کان حجتین علیهم لالهم لکن لا کهاتین الناصتین بان الکلام فی صورة التمول لامطلق التبدل،لاسیما کلام الامام البدر المبین کالبدر،ان وجوب التصدق لا جل الخبث والخبث لکراہة البیع،وکراہة البیع لقصد التمول فیالیت شعری فیظن الرجل ان کل تبدل بمستهلك تمول،فیحکم بکراہة البیع به مطلقًا ام لا یدری الفرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد ام یجیز قیاس المباین علی المباین والخبیث علی الطیب،والمنهی عنه علی الماذون فیه۔بل المندوب الیه فهل ہذا الاشیئ، نکرا۔وامرا مرا۔وایا ما کان فالی الله الضراعة لمنح البراعة ومنع الشناعة۔

قال الرجل ہداہ الله تعالٰی الی مسلك اہل السنة و الجماعة اذا باع المضحی جلد الاضحیة بالدراہم سواء کان البیع للتمول اوبنیة التصدق تعین تصدقه ثمنه کالنذر وھذا ھو معنی الصدقة الواجبة۔

خصوصا ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے۔اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت تسلیم کیا ہے۔اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقاً بیع متمول گردانتا ہے۔یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا،ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے،یہ کتنی شنیع بات ہے ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

رد: اللہ تعالٰی اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے،اس نے کہا:"قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے۔عینی نے شرح ہدایہ میں کہا یہ قصہ تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے۔تو جب بیچ کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب"۔اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کھال سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ شخص

[40] البنایہ فی شرح الھدایہ کتاب الاضحیہ المکتبة الامدادیہ مکة المکرمة ۴/ ۱۹۰

[41] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الهدایة انه تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جهة التمول فاذا تمول بالبیع وجب التصدق لان ہذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ وفی الکافی فاذا تمولها بالبیع انتقلت القربة الی بدله فوجب التصدق اھ معربا ملخصا۔

اقول: دلنا کلامك هذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثة المارة فی قولی، یا لیث شعری فعر فنا بتردیدك ان لیس کل بیع بمستهلك تمولا عندک، وانك مائز بین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جهلا منک، او تجاہلا مع علمك ان الکلام فی سائر القرب، دون التصدق فاذن لا اجد لا حتجاجك بکلام الکافی مثل، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاته لله تعالٰی اولغیرہ واحتج علیه بقوله عزوجل" قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ"[42] فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منه المتنازع فیه اصلا، فلا اری احدا من

مول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے بھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرف تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا، ہاں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقًا کار ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔ الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے۔ اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیر کی سب ناجائز ہے۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے۔ لااعبد ماتعبدون تو ماتعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کردیا، اسی طرح صاحب کافی کی عبارت تو بیع تمول کو ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقًا بیع حرام کردی،

یہ تو عبارت کافی سے استدلال کا حال ہے۔ اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے۔ اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

[42] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱و۲

المبطلین یعجز عن اقامة الف دلیل علی دعواه ہذا احتجاجك بالكافی،اما التمسك بكلام البدر فبرأك الله من ان تنقص درجة عمن یدعی وجود اللیل البهیم مُسبل الاستار یحتج علیه بوجود الشمس فی وسط السماء بازعة تبهر الابصار۔ قال"فقد اتضح بهاتین الرواتین وجوب التصدق واذا وجب الصدقة فكونها صدقة واجبة واذا وجب الصدقة فكونها صدقة واجبة واضح بنفسه فلا یكون مصرفها الامصرف الصدقة الواجبة كما ہو ظاہر ،فلا یجوز صرف الی بناء المساجد والمدارس اھ بالتعریب۔	کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے اس شخص نے کہا،کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے۔تو وہ صدقہ واجبہ ہوا،اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتے۔
اقول: ان ارید الوجوب عند التمول فنعم ،والا كلام فیه،او عند التقرب فلا ولا كرامة وای اثرله فی دلیلك فما ثبت بهما لانزاع فیه،وما فیه النزاع لم یثبت بهما،وان كان بحسبك ان یقع فی كلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق فی ای مسئلة من ای باب،فنعم لدعواك فی كل كتاب دلائل عدد الرمل والتراب۔ قال والصدقة مطلقًا لابد فیها من التملیك سواء كان اباحة اوتملیكا تاما۔	گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے،تو یہ بات صحیح ہے۔بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے۔اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کار ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے۔تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہر گز ثابت نہیں اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے،چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو تو

اقول:یالیتك اذلم تھتد الی الصواب قنعت۔بما من قبل صنعت،ونفسك عن الاسترسال منعت،ولکنك اجبت ان تزید فی الطنبور نغمۃ،وفی الشطرنج بغلۃ فابتدعت القول بان الاباحۃ من التملیك وانھا تجزی فی الصدقۃ مطلقًا،فجعلت القسیم قسما،والضد ندا مع ان کلمات العلماء،فی مسائل الاباحۃ غیر قلیۃ ولاخفیۃ بل دوارۃ فی کثیر من ابواب الفقہ،منھا الطھارات،ومنھا الزکوٰۃ،ومنھا الطلاق،ومنھا اللقطۃ ومنھا الھبۃ،ومنھا الکراھیۃ وغیر ذٰلك وھذا شرح الوقایہ للامام الجلیل صدر الشریعۃ اول کتاب نتدراسہ فی الفقہ۔افاد فیہ رحمہ اللہ تعالٰی فی اول کتاب الطھارات من باب التیمم،ان القدرۃ ثبت بطریق الاباحۃ،وبطریق التملیك فان قال صاحب الماء لجماعۃ من المتیممین لیتوضأ بھذا لماء ایکم شاء،والماء یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم کل واحد لثبوت القدرۃ لکل واحد علی الانفراد، اما اذا قال ھذا الماء لکم وقبضوا لا ینتقض تیممھم لانہ یبقٰی	یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں،ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں، اس شخص نے کہا:"صدقہ میں مطلقًا تملیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔" آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے اور دراز لسانی سے پرہیز کرنا چاہئے،لیکن آپ نے تو ایک نئے سر کا اضافہ کرنا چاہا،اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کردیا کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا ایک حصہ ہے،اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا،افسوس کہ اس کلام میں قسیم کو قسم اور ضد کو شریک بنادیا گیا حالانکہ ان دونوں کی تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں،ابواب طلاق ولقطہ وہبہ کراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔ ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدرالشریعۃ کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتداء میں ہی لکھتے ہیں:"پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہوجاتی ہے اور تملیک سے بھی تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے،اور پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا۔پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ علی سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہو گئی،اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کرلو تو تیمّم نہ ٹوٹے گا،کیونکہ اتنا پانی جب

على ملك الواهب ولم تثبت الاباحة لانه لما بطل الهبة بطل مافى ضمنها[43] اھ ملخصا ونحوه فى الفتح والبحر وغيرها. فانظر كيف باينوا بينهما، واسمع كيف اثبتوا الاباحة لكل منفرد بقول المالك ليتوضأ به ايكم شاء، مع بداية انه لاتثبت بقوله هذا شيئ من الملك لكل منهم، ولا لاحدهم افما كنت درست هذا اوما دريت ولا وعيت ضابطالهم، ان ماشرع بلفظ اطعام وطعام جاز فيه الاباحة، وما شرع بلفظ ايتاء واداء شرط فيه التمليک[44]۔ كما فى ظهار الدر ومجمع الانهر وغيرهما فافتح العين، هل هما قسيمان او احدهما قسم من الاخر۔

اوما علمت ان مولى الغزى لما قال ان الزكوٰة تمليك[45] الخ قال المحقق العلائى خرج الاباحة[46] او ما عرفت ان الامام صدر الشريعة لما قال فى النقاية تصرف تمليك[47]

سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی، ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔ تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے۔ اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی، در اور مجمع الانہر میں ایک مشہور و معروف ضابطہ مصرح ہے: "مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی کہ "اسے فلاں کو کھلادو" تو اس میں اباحت کافی ہے۔ اور جس کو "ایتاء" سے اجازت دے کہ "اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے۔" تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک واباحت آپس میں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم!

امام غزی نے فرمایا: "الزکوٰۃ تملیک: زکوٰۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔"

علامہ علائی فرماتے ہیں: "اس سے اباحت نکل گئی

---

[43] شرح الوقايه كتاب الطهارة المكتبة الرشيديه دہلی ۱/ ۰۶-۱۰۵

[44] درمختار باب كفارة الظهار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱، مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر باب الظهار داراحياء التراث العربى بيروت ۱/ ۴۵۳

[45] درمختار شرح تنوير الابصار كتاب الزكوٰة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[46] درمختار شرح تنوير الابصار كتاب الزكوٰة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[47] مختصر الوقايه فى مسائل الهداية فصل مصرف الزكوة نور محمد كارخانہ کتب کراچی ص ۳۷

یعنی الزکوٰۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحھا فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ[48] الخ اوما عقلت ماافاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر .اذقال انما فسرنا الانتفاع بالتملك لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ[49]۔اوما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ ردالمحتار ان التصرف علی وجہ التملك احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملك صاحبھا[50] اھ اوما سمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ انما یتصرف علی ملك المبیح لا حظ لہ من الملك اصلا .حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملك المالک .ایضا قال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح یستھلکہ المباح لہ علی ملك المبیح او علی ملك نفسہ .قلت اذا صار ما کولا زال ملك المبیح عنہ .ولم یدخل فی ملك احد[51] اھ واثرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر .ہذا وکم اسرد لك یاھذا من نقول الاسفار وھی فی الوفور والاستکثار	"امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: "(الزکوٰۃ)تصرف تملیکا" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی،علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا:اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیاتوزکوٰۃادانہ ہوگی اسی طرح علماء کی تصریح ہے:"جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی،اس کواس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا"_____"وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں:"مالک کی ملک زائل ہوجائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو۔" مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہ نے اس چیز کو کھالیا تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی،اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی یہی مطلب ہے ملک نفسہ کا،ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیہ در میں پیش کیا،الغرض اگر میں نقل کرنے پر

[48] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۳۸

[49] بحرالرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۱۵۸

[50] ردالمحتار کتاب اللقطۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۲۰_۳۲۱

[51] بحرالرائق باب الظھار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴ /۱۰۹

ماتنتھی دون نقلہ الاعمار،وانا بحمداللہ عالم بمناط غلطک،ومثار لغطک وسأنبھک علیہ عن قریب،ان شاء المولی القرب المجیب،واما ماأوہمت من اجزاء الاباحۃ فی الصدقات مطلقًا فواضح البطلان عند کل من یعلم ان الزکاۃ وصدقۃ الفطر لاتغنی فیھما الاباحۃ علی المذہب الصحیح المفتی بہ،وقد قدمنا نصوص النقایۃ و التنویر والدر، وضابط الدرو شرح ملتقی الابحر،وسیأتی زیادۃ علی ذٰلک ان اراد المالک۔	مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: "مباح کو مباح لہ مباح کرنے والے کی ملک پر ہی ختم کرتا ہے یا وہ چیز خود اپنے ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں" آؤں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے،تو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔ اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقًا اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے۔اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ہم نے اس بات کی جزئیات تنویر اور در سے پہلے نقل کئے،اور در کا ضابطہ بھی نقل کیا،آئندہ مزید تفصیل کریں گے تو اس قائل کا کلام ازتا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔
وبالجملۃ کلام الرجل ککلام مدہوش من قرنہ الی قدمہ مخدوش ونحن اذا قد اوضحنا المرام وازحنا الاوہام بتوفیق ربنا الملک العلام،فلا علینا ان نقصر الکلام ونطوی بساط والرد الابرام والحمدللہ ولی الانعام۔	
تذلیل جلیل: قال العبد الذلیل بعد ہذا وقفت علی تحریر اُخر لبعض جلۃ العصر من افاضل اہل السنۃ جنح فیہ نحو ماجنح اولئک القوم،وحکم ان لا بدہھنا من التملیک متمسکا بما تعریبہ حکم جلود الاضاحی ان یتصدق بھا اوینتفع بھا بنفسہ او یستبدلھا بما ینتفع بہ مع بقاء کالغربال و السجادۃ وغیرہما ففی صورۃ	**ایک سنی عالم کا فتوٰی:** البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اس قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی،ان کا کلام یہ ہے: "قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے،یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے،جیسے چھلنی،مصلی وغیرہ،تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے" انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لابد من التملك اھ حاصله معربا۔

اقول: ھذا کلام کما تری لایکاد یرجع الی طائل، فان لزوم التملیك فی التصدق لایستلزم لزومه فی التقرب ولم یلم کلامکم بایجاب التصدق ھھنا عینا ونفی سائر وجوه التقرب شیئا فالصغری المطویة ہی التی کانت محتاجه الی البیان وقد طویتموہا وطویتم الکشح عن بیانها فاختل البرہان، وکان ملحظ ہذا الفاضل ومحط نظرہ ان حکم الجلود اذا کان دائرا بین الاشیاء الثلثة، وبالبیع بالدراہم ولو لاجل التقرب انتفی الاخیران، فتعین الاول، وہو لابد فیه من التملیك ھذا غایة مایقال فی تقریر کلامه، علی حسب مرامه ھناأه ربه بلطفه واکرامه فالان۔

اقول: وبالله التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق، اعلم ان للصدقة اطلاقات:[1] **الاول:** اخصها تملیك المال من الفقیر مجانا، فخرج الاعارة والاباحة و ھدیة الغنی، والاقراض وھذا ھو المراد فی الزکوٰة و صدقة الفطر، وبھذا المعنی یقال ان الصدقة لابد فیھا من التملیك وحینئذ لاتدخل فیھا الکفارات لجواز الاباحة

کھال کا صدقہ واجبہ ہے۔نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کار ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغری ہے۔ بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار ہے۔ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے بعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے یا باقی رہنے، والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے۔اورجب بعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدق معین ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالٰی انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ شرح میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔

(۱) تملیك المال من الفقیر "اس صورت میں عاریۃ۔ اباحت، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجب ہے لیکن اس معنی

فیھا قطعا(عہ)۔ولذا قال فی ظھار التنویر ،صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات و العشر [52] اھ قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی(قولہ دون الصدقات)ای الزکوٰۃ و صدقۃ الفطر [53] اھ فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔ **[2] الثانی:** تمکین الفقیر من المال مجانا وھنا یقطع النظر عن التملیك ویکتفی	میں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے۔ تنویر میں ہے: "کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے۔صدقات اور عشر میں نہیں۔" لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے" یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باجود صدقات سے خارج ہے۔ **(۲)** "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے۔اور یہ انتفاع، تصرف اور

عہ:ای فی نوع الطعام منھا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلا تکفی فیھا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ہذا المراد.**وانا اقول:**خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون ماینتفع بہ باستھلاکہ کالماکولات و المشروبات والکسوۃ لیس ھذا کمالایخفٰی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقًا،واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز

یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے۔لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے تو اس مراد کو محفوظ رکھو **اقول:** (اور میں کہتا ہوں) لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہوسکتی ہے جس کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات و مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔حاصل یہ کہ میرے نزدیک اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز (ت)

[52] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱

[53] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الطلاق باب الکفارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۴، حاشیہ الطحطاوی کتاب الطلاق باب الکفارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۲

باطلاق الانتفاع۔والتصرف والاستہلاك الصادق بہ وبالاباحۃ وبھذا المعنی تشمل الکفارات فتعد من الصدقات الواجبۃ کما قال القہستانی والشامی وغیرہما فی مصرف الزکوٰۃ"انہ ہو مصرف ایضا لصدقۃ الفطر والکفارۃ والنذر وغیر ذٰلك من الصدقات الواجبۃ[54]اھ وبہ علم ان ہذین المعنین لایتعداہما الواجب من الصدقات والخلط بینہما کانہ ھوالذی حد ذٰلك الرجل الوھابی ان جعل الاباحۃ من التملیک،وذٰلك انہ رأی فی الفتح مایقصر الصدقۃ علی التملیك ورأی فی ردالمحتار مانقلنا اٰنفا وھو یفیدان الکفارۃ ایضا من الصدقات وقد نقل العبارتین فی فتواہ فأظن انہ نظم منہا شکلا و استنتج منہ ان الکفارۃ لابد فیہا من التملیك وکان داریا ان الاباحۃ تسوغ فیہا،فلم یتمالك نفسہ ان حکم بکون الاباحۃ قسما من التملیك لانہ اضطربت لدیہ الاقوال۔وضاق علیہ میدان المجال، ولم یدر التفصی عن الاشکال الابایداء ہذا المحال، ولم یعرف المسکین فرق المحال،وان تغیر الاوسط یھدم الاشکال

استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے۔جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے۔

چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا:"جو فقیر مصرف الزکوٰۃ ہے وہی صدقہ فطر،کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے۔"

صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی متحقق ہونگے،شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرات دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا"صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے"اور رد المحتار کی بھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے۔یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوٰی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے۔تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا ہے،فتح القدیر کی عبارت "الصدقۃ

[54] ردالمحتار بحوالہ القہستانی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیہا التملیک ہی الصدقۃ بالمعنی الاخص الوارد فیہا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤادھما، والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی، فلا شکل ولا اشکال، والحمدللہ المھین المتعال علی انہ ان قطع النظر عن ہذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیک کما فعل الفاضل القھستانی حیث قال تحت قول النقایۃ تصرف تملیکا یستثنی منہ اباحۃ الکفارۃ [55]اھ لا ان یرتکب مثلك ہذا المحال، وباللہ العصمۃ عن الزلل و الضلال ہذا ما وعدناك فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقۃ۔	یجب فیہ التملیک"میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے۔اور "الکفارات تجوز فیہ الاباحۃ"کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے۔حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشادہ کرچکے تھے،وہ فرماتے ہیں"انہ تصرف تملیکا یستثنی منہ الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنٰی ہے۔
۳**الثالث** وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا، فتشمل التملیک والاباحۃ للفقیر والغنی، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقۃ ماتصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلك فانھا علی الغنی جائزۃ عندنا یثاب بہ بلاخلاف [56]اھ وقال فی	**(۳)** صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک واباحت اور فقیر وغنی، دونوں کو عام ہو، توسط شرح ابوداؤد میں ہے: "صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموما یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالدار کو بھی دینا جائز ہے"۔

[55] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۸-۳۳۷

[56] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تکون علی الاغنیاء ایضاً وان کانت مجازا عن الھبة عند بعضھم وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر[57] اھ و روی احمد و الطبرانی فی الکبیر عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انك مااطعمت زوجتك فھو لك صدقة وما اطعمت ولدك فھو لك صدقہ، وما اطعمت خادمك فھولك صدقة۔[58] ولہ فیہ عن ابی امامة الباہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماانفق الرجل فی بیتہ واہلہ وولدہ فھو لہ صدقة[59]۔	ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازا ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔ احمد وطبرانی نے کبیر میں مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ"۔ طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔"
الرابع ربماتطلق حیث لاتملیك ولااباحة اصلا وانما ھو تصرف مالی قصد بہ نفع المسلمین کحفر الاٰبار وکروی الانھار وبناء الربط والجسور والمساجد و المدارس وغیر ذلك وعن ہذا تقول انھا صدقات جاریة ومن ذٰلك قولھم فی الاوقاف صدقة مؤبدة و علیہ جاء قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	**(۴)** اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہونا ہے۔ جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافر خانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور انھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں: اور اوقات کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

[57] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۷

[58] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰ /۲۶۸

[59] المعجم الکبیر حدیث ۷۶۷۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸ /۱۱۲

اذ اتاہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ امی ماتت فای الصدقۃ افضل، قال سقی الماء، فحفر بئرا و قال ھذہ لام سعد [60] کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان و الحاکم عن سعد وابو یعلی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ ومعلوم ان لاتملیك فیہ ولا اباحۃ فان من شرطھا ان یکون الماء، فی ملك المبیح کما لایخفی علی احد وقد قال صدر الشریعۃ انھم لمالم یملکہ لاتصح اباحتھم۔اھ وقد نص علمائنا ان ماء البئر غیر مملوك لصاحبھا، ففی الھدایۃ البئر ونحوھا ماوضع للاحراز ولا یملك المباح بدونہ [61]۔وفی فتاوی العلامۃ خیر الدین الرملی	حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے فرمایا: لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا، انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کردیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے" (احمد وابوداؤد ونسائی ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس) تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیئ مباح مباح کرنے والے کی ملک ہو، صدر الشریعہ فرماتے ہیں: "جب مال موقوفہ پر مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں" اس طرح علماء نے تصریح فرمائی: کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں" ہدایہ میں ہے: "کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی"۔

[60] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۶، سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۳، مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۸۵و۶/ ۷، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب الزکوٰۃ باب سقی الماء المطبعۃ السلفیہ مکہ المکرمۃ ص۲۱۸

[61] الہدایۃ کتاب احیاء الموات فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۸۳

فی الولوالجیۃ وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنہ حتی یبست لاشیئ علیہ عـــہ لان صاحب البئر غیر مالك للماء [62] اھ فاذن لایکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی مالہ لنفع المسلمین وعلی ھذا سائر القرب المالیۃ سواء فی دخولہا فی معنی الصدقۃ۔ وقد قال الامام فقیہ النفس قاضی خاں فی الخانیۃ قریۃ فیہا بئر مطویۃ بالاٰجر خربت القریۃ، و انقرض اھلہا وبقرب ہذہ القریۃ قریۃ اخرٰی فیہا حوض یحتاج الی الاٰجر فارادوا ان ینقلوا الاجر من القریۃ التی خربت ویجعلوہا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلك البئر لا یجوز صرف الاٰجر الا باذنہ، لانہ عادالی مبلکہ وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذٰلك ان	فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے: "اگر کسی نے کسی کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کردیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں"۔ تو یہ صدقہ اسی معنی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کررہا ہے اور اس معنی میں سارے مالی کار خیر صدقہ قرار دئے جانے میں برابر ہیں۔ **اطلاق نمبر ۴ کی دوسری مثال:** امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں: "ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اجڑ گیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہوگئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں، اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگادے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

عـــہ: **قلت** ای لا ضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوك لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظھر اذا فعلہ لمحض الاضرار ولاضرر ولاضرار فی الاسلام ۱۲ منہ۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر وضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ (ت)

[62] فتاوٰی خیریہ کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۸۶

يتصدق بها على فقير ثم ذٰلك الفقير ينفقها فى ذٰلك الحوض لانه بمنزلة اللقطة والاولى ان ينفق القاضى فى ہذا الحوض ولا حاجة فيه الى التصدق على الفقير[63] اھ وفى الهندية عن الواقعات الحسامية فيما اذا لم يعلم الغارس، الحكم فى ذٰلك الى القاضى ان رأى بيعها وصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذٰلك[64] اھ وقال فى الخانية قبله نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها كانت للغارس وان لم يعلم فالرأى للقاضى ان رأى ان يبيع الاشجار و تصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذلك، وتكون فى الحكم كانها وقف[65] اھ قلت اى فى انه مال مصروف الى وجوه البر اما الوقف فلا لما فى الخانية ايضا، رجل جعل ارضه مقبرة وفيها اشجار عظيمة، قال الفقيه ابو جعفر رحمه الله تعالٰى وقف الاشجار لايصح فتكون الاشجار للواقف ولورثته	(گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے۔اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگادے اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی" عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے: "اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کرسکتا ہے "خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے۔اور لگانے والا معلوم نہ ہو تو رائے قاضی کی ہے اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگاسکتا ہے۔اس کا حکم وقف ہی کا ہے" مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے جو مصارف خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارف خیر ہیں، وہ درخت خود وقف نہیں ہوجاتا۔اسی خانیہ میں ہے: "ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابو جعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

[63] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف المنقول الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵

[64] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

[65] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوقف فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۴

ان مات، وکذا البناء فی الدار التی جعلها مقبرۃ[66] اھ۔ ومعلوم ان حکم اللقطۃ ھو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا، فیصرف الی نفسہ وھو ایضا من باب التصدق من المالک، بل قال فی الدرالمختار عن العمدۃ وجد لقطۃ وعرفھا ولم یر ربھا فانتفع بھا لفقرہ ثم ایسر یجب علیہ ان یتصدق بمثلہ[67] اھ وان کان المختار خلافہ کما فی البحر والنھر، عن الولو الجیۃ والھندیۃ وجامع الرموز عن الظھیریۃ قلت لان الصدقۃ اصابت محلھا فلا تتغیر بتغیر حالہ کفقیر اخذ الزکوٰۃ ثم ایسر لیس علیہ ردھا، وبالجملۃ الحکم ھھنا التصدق وقد نصوا علی جواز صرفہ الی عمارۃ المقبرۃ واصلاح الحوض، ومن ذٰلک مافی الرحمانیۃ عن الاجناس اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیہ وبنی اھل المسجد مسجدا آخر ثم اجمعوا علی بیعہ، واستعانوا بثمنہ فی ثمن المسجد الاٰخر فلا باس بہ، وہٰذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانہ مسجد ابدا عندہ[68] اھ وفی السراجیۃ مسجد عتیق لایعرف بانیہ خربت فاتخذ بجنبہ	ہوں گے، اور وہ مر گیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کر دیا گیا ہو۔" رحمانیہ کا جزئیہ ہے: "مسجد ویران ہو گئی جس کے بانی کا پتہ نہیں اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اس کی قیمت اس مسجد میں لگائیں، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں، اور قاضی ابویوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کر سکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی" سراجیہ میں ہے: "پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں وہ ویران ہو گئی لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی، تو قاضی ابویوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگا سکتے، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے۔ اور فتوٰی قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے" اس کی وجہ وہی ہے کہ مسجد ڈھے کر ناقابل استعمال ہو گئی اور لوگ مستغنی ہو گئے، تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی ہو جاتا ہے۔ اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہو گئی، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

[66] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵

[67] درمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶

[68] رحمانیہ

مسجد اخر۔لیس لاہل المسجد ان یبیعوہ و یستعینوا بثمنہ فی مسجد اُخر عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتوٰی [69]۔وذلك ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنٰی عنہ یعود عند محمد الی ملك البانی،کما فی التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطۃ،وقد قال الامام محمد ح صرفہ الی مسجد اخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطۃ ہو بہذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد وہذا الاطلاقات کلہا فقہیۃ کما تری۔	میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو جب ہچوں قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہو گئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے۔ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے او پر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے۔بلکہ درمختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا،پھر مالدار ہوگیا تو اس کا صدقہ کرے،اگرچہ فتوی اس کے خلاف ہے۔(بحر ونہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریۃ) **میں کہتاہوں** قرین قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا،تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا،جیسے فقیر مال زکوۃ کھاتا رہا اب مالدار ہوگیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارت مقبرہ اور اصلاح حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنی میں ہے اور اس کا مقابر،حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک نہ اباحت،نہ مالدار نہ فقیر،اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔
الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا،ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر اودفع الضیر کیفما کان ومن ذٰلك حدیث تکرار	**(۵)** کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کردیجاتی ہے اور مطلقاً غیر کو نفع پہنچانے،اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے۔اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

[69] فتاوٰی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

الجماعة المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الارجل یتصدق علی ھذا فیصلی معه [70] وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل سلامٰی من الناس علیه صدقة کل یوم تطلع فیه الشمس تعدل بین الاثنین صدقة بینھما، وتعین الرجل علی دابته فتحمل علیھا او ترفع له علیھا متاعه صدقة والکلمة الطیبة صدقة ودل الطریق صدقة وتمیط الاذی عن الطریق صدقة [71]۔ اخرجه احمد والشیخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه،	کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا: "الارجل یتصدق علی ہذا فیصلی معه کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے " یوں ہی سرکار فرماتے ہیں: "آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے۔ تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے۔ آدمی کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے۔ راستہ بتانا صدقہ ہے۔ راستہ سے کوڑا کرکٹ دور کردینا صدقہ ہے۔ (احمد ومسلم وبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ)
وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مامن رجل مسلم یصاب بشیئ فی جسدہ فیتصدق به الارفعه اللہ به درجة وحط عنه خطیئته [72]۔ اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة عن ابی الدرداء واحمد والضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔	یونہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء، احمد وضیاء نحوہ عن عبادۃ باسناد صحیح)

---

[70] سنن ابو داؤد کتاب الصدقات باب فی المجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵، جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد الخ امین کمپنی کراچی ۱/ ۳۰

[71] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرکاب ومخوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکٰوۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵، مسند احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۶

[72] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۷، سنن ابن ماجہ ابواب الدیات باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۷، مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۴۸

السادس قد یستقصی فی التوسع فیقطع النظر عن الغیر ایضاً ویطلق علی کل فعل حسن محمود فی الشرع فانه ان لم یکن تصدقاً علی غیرہ، فتصدق علی نفسه، ومن ذٰلك قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی حدیث ابی ہریرۃ المار کل خطوۃ تخطوہا الی الصلٰوۃ صدقه[73]۔ وجاء فی حدیث کل تکبیرۃ صدقة[74]۔ وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل معروف صدقة[75] اخرجه احمد والبخاری واٰخرون عن جابر واحمد و مسلم وابوداؤد عن حذیفة والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والبیہقی فی الشعب عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهم، زاد عبد بن حمید والحاکم، و صححه فی حدیث جابر ہذا وما انفق المسلم من نفقة علی نفسه واہله کتب له بها صدقة[76]۔ وتتمه حدیث المقدام المقدم

(٦) اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود ومشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔
"مسجد کی طرف بڑھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ ہر تکبیر صدقہ ہے۔ ہر نیکی صدقہ ہے۔ (احمد وبخاری وآخرون عن جابر، احمد، ومسلم، ابوداؤد، عن حذیفہ طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس) عبدابن حمید وحاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی: "مسلمان نے اپنے اور اہل وعیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا" نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے: "اور جو خود کھایا صدقہ ہے"
ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کرلیں، شائد کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے، اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے۔ کہ قربانی کے

---

[73] صحیح البخاری کتاب الجهاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۴ و۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵

[74] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ المسافرین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۰ و کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۲۴

[75] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۰، صحیح مسلم کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۴، سنن ابوداؤد کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۰، مسند احمد بن حنبل ۵/ ۳۹۷ والمعجم الکبیر حدیث ۷۰۰۴ و۱۰۴۱۲ ۱۰/ ۱۱۰ و۲۳۲

[76] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۵۰

ذکرہ وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة[77] اتقن ہذا فلعلك لاتجدبيان تلك الاطلاقات الا فی ہذہ الوریقات واللّٰه سبحانه واهب العطيات۔

ثم ان المراد بالتصدق فی قولهم فی الاضاحی يتصدق بالثلث وقولهم يندب ان لا ينقص الصدقة عن الثلث،ليس هو المعنى الاخص الاول،كيف،و قد اجمعوا على اباحة الاباحة فی القربان،فلايمكن تعيين الاخص المنحصر فی التمليك ويتضح ذٰلك فی قوله مجمع الانهر وغيره الجهات ثلث الاكل والادخار و التصدق[78] ھ فاين الاطعام العام الغير المخصوص بالتمليك المنصوص عليه فی قوله عز مجده "وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ"[79]۔وقد استدل فی الهداية بالاية على قول البداية يستحب ان لاينقص الصدقة عن الثلث، قائلا ان الجهات ثلث الاكل و الادخار لما روينا و الاطعام لقوله تعالٰی و اطعموا القانع والمعتر و انقسم عليها اثلاثة[80] اھ

سلسلہ میں جس صدقہ کاذکرآیا ہے وہ ان اطلاقات میں سے کسی اطلاق کے تحت آیا ہے۔تو یہ طے ہے کہ نمبر اول مراد نہیں ہے۔کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلاسکتے ہیں تو اس معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری ہے اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے ملانے سے صاف ظاہر ہوجاتی ہے۔چنانچہ صاحب مجمع فرماتے ہیں:"قربانی کے مصرف کی تین حیثیت ہے: کھانا، جمع کرنا،صدقہ کرنا"

حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوجاتی ہے صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد لیا ہے۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے صاحب بدایہ کے اس قول کی دلیل دی:"صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے"۔

صاحب بدایہ کہتے ہیں:"اس لئے کہ جہتیں تین ہیں: کھانا، جمع کرنا،یہ تو حدیث سے ثابت ہے۔اور کھلانا،یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ،تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھا گیا"

---

[77] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۲۶۸

[78] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

[79] القرآن الکریم ۲۲/ ۶۳

[80] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

فلو کان المراد بالصدقة ہو المعنی الاخص لما انطبق الدلیل علی المدعی کما لا یخفی، واذ قد علمت ان الصدقة لہا اطلاقات وان لزوم التملیك انما ہو فی المعنی الاول وانہ غیر مراد ہہنا، وجب ان لایکون مرادا ایضا قولہم یتصدق بجلدہا فان التصدق ھھنا ہو عین التصدق فی قولہم یتصدق بالثلث یرشد الیہ تعلیل الہدایة بقولہ لانہ کجزء منہا فثبت ان لیس تصدق الجلد ممایقتصر علی التملیك حتی لو صنع منہ دلوا، ووقفہ علی بئر مسجد لیستسقی المتوضؤون جاز [عـــہ] قطعا فسقط الاحتجاج رأسا۔

اب اگر صاحب ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسب قول ہدایہ، "کھال بھی قربانی ہی کا جز ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے۔ القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔

بقی انہ اذ لیس المراد الاول فای البواقی یراد وانما البینة علی من یدعی، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حدیث نبیشہ الخیر الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ یہدینا الی مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوہ القرب، فلیکن المراد ھو المعنی الرابع، وہو الغالب فی الصدقات النافلة۔

اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے۔ مگر تبرعا ہم وہ بھی بتادیتے ہیں۔

عـــہ: ای علی المفتی بہ من جواز وقف المنقول حیث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا علی اٰبارا لمساجد اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز

یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

علی ان قد بینا ان معنی المنع لیس ترك التصدق المامور بہ،فانہ غیر المامور بہ ہہنا رأسا بل المعنی قصد التمول المنہی عنہ فی کل ماتقرب بہ الی المولی سبحٰنہ وتعالٰی وھو لایتحقق فی شیئ من القرب، فلایضرنا عندالتحقیق ارادۃ شیئ من المعانی اصلا کما لایخفی علی من رزق العقل السلیم والفھم المستقیم ،واللہ سبحنہ بکل شیئ علیم ،ہذا وجہ فی الجواب عن احتجاج ہذا الفاضل المستطاب	حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایتجار(کار ثواب)کالفظ آیا ہے جو تمام کار خیر کو عام ہے تو چوتھے معنی میں جو عام طور سے صدقات نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔ علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصد تصدق کی ممانعت ہے۔نہیں قصد تمول کی ممانعت ہے تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصد تمول نہیں پایا جائے گا اور صدقہ جائز ہوگا، اس لئے صدقہ کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔
اقول: ثانیا مبناہ عن حصر السائغ فی الاوجہ الثلثہ و لا دلیل یدل علی الحصر ،وعدم الذکر لیس ذکر العدم وہذا الامام القدوری مقتصرا فی مختصرہ علی شیئین التصدق وعمل آلۃ حیث قال ویتصدق بجلودہا اویعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت [81] اھ فترك التبدل بما یبقی ایضا،فیظن کلامہ ھذا معارضہ لکلام من ثلث،وہذا المحقق الحلبی قال فی ملتقاہ وھو من متون المذہب المعتمدۃ کما نص علیہ العلامۃ الشامی،یاکل من	**مزید توضیح:** جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ مصارف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں،اگر کسی مصنف نے صرف تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں،کہ عدم ذکر،ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں،امام قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو ۲ ہی جہت کا ذکر کیا: "کھال کا صدقہ کردیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے کوئی چیز بنالی جائے" تو انھوں نے باقی رہنے والی چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی،تو کیا ان کے کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض سمجھا جائے،حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا: "قربانی کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے کھلائے،اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے"۔

[81] مختصر القدوری کتاب الاضحیہ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۹

لحم اضحیته ویطعم من شاء من غنی وفقیر ،وندب ان لاینقص الصدقه عن الثلث[82] اھ فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلة اللحم مع جوازہ قطعا علی المذھب الصحیح،وان اختیر ماصححه فی الظھیریة وغیرھا من جواز تبدل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبون وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب و الجواب لاعکسه فی الصورتین فقد ترك ھذا الوجه فی اللحم ،وعلی کل فلم یحط ،بکل ماھو سائغ ،ونظائر ذٰلك ان تتبعت اعیاك عدھا کثرا واذلا حصر فلا ساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لو حنا ببعض من ھذا فی مطاری کلامنا فی الوجه السابق۔

واقول: ثالثا ان ابتیم الاالحصر فنبئونی فلا یجوز اھداء غنی،و لیس من الثلثة،اولایجوز الاعارة من فقیر اوملی ولیس منھا اولا یجوز البیع بالدراھم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق فاذبقیت ھذہ فلیکن البیع بھا لاجل التقرب ایضا من البواقی،

وبالجملة فلا دلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك

تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑ دی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے۔اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ اس کا الٹا نہیں،تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی،تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔اور جب حصر واحاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو ۲ قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔

اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا ناجائز ہے یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں،حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے توجب اس کار ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کار ثواب کے لئے کیوں جائز نہ ہوگی۔

الختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کار ثواب کے لئے بیچنا منع ہو اور اس کا تصدق بطور تملیک

[82] ملتقی الابحر کتاب الاضحیه مؤسسة الرسالة بیروت ۲/ ۲۲۴

اذا فعل ذٰلك بل الدليل ناطق بخلافه فان المانع انما هو قصد التمول وهذا بمعزله عنه، والمسوغ كما تبين بكلام التبيين قصد القربة وهذا، فلنقتصر على هذا القدر، حامدين لربنا في الورد والصدر، ہذا ما ظهر لفهمي القاصر وفكري الفاتر ومعاذالله ان ابرى نفسي من الخطأ والزلل واصر على رائي بعد وضوح الخلل وسبحن الله اليش انا واليش رأيي و انما النقص بضاعتي والخطأ صنا عتي، والجهل صفتي و العجز سمتي فان اصابت فبتوفيق ربي، وله الحمد في كل اٰن وحين، وان اخطأت فبشوم ذنبي و اسأل التوبة ارحم الراحمين، والحمدلله العزيز الوہاب، والصلاة والسلام على النبي الاواب واله و صحبه خير آل واصحاب واذا انتهت الرسالة بحمدي ذي الجلالة وددت ان اسميها بعلم لطيف، يكون علما على عامة التاليف، كما ہو دأبي في جميع التصانيف وقد جاءت بحمدالله تعالٰى مختصرة ومع الاختصار مطهرة مظهرة، فناسب ان اسميها "الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية" وكان ذٰلك ضحوة الخميس لليلة بقيت من ذي القعدة الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من

ہونا ثابت ہو اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے وہ بیع بقصد تمول ہے۔ اور ان دونوں میں بون بعید ہے۔ اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے۔ اور یہ بیع اسی لئے ہے۔ اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔

اب ہم اس پر بس کرتے ہیں، اور ابتداء وانتہا میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا ولغزش سے بری نہیں گردانتا اور خلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ ! میں کیا اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے اور خطا شان بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی میرا نشان اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے۔ اور اسی کے لئے ہر دم تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی برائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجالاتا ہوں، اور اس کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا۔

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طریقہ کے مطابق کتاب کا بھی سن تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام "الصافية الموحية لحكم جلو دالاضحية" رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے

بجرۃ المولی سید الانام افضل الصلاۃ واکمل سلام واجمل تحیۃ من الملك المنعام علیه وعلی آله وصحبه الکرام علی مر اللیالی والایام ،والحمدللہ ذی الجلال والاکرام کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں۔ والحمدللہ رب العالمین۔

مسئلہ ۲۹۴: از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب　۱۵صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل از صلٰوۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں۔اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں،اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہو سکتے ہیں یا نہیں؟اور اس قیمت کو مدرسہ ومسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

مرغ کی قربانی مکروہ وتشبہ بالمجوس ہے۔نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہو سکتا ہے اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کر سکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں،اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز،اس چمڑے کا یہی حکم ہے۔جو اصل کا کہ ادخار وانتجار دونوں جائز ہیں خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں یا اسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے،یا بہ نیت مصارف خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے۔ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں اور ان کی سبیل تصدق،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۵: از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طہ صاحب　۴ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنا چاہئے۔اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے۔**(۱)** شرح وقایہ جلد اول۔کتاب الحج۔باب الاحصار،بیان احکام الھدی

(۲) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ **(۳)** درمختار جلد اول باب الھدی

(۴) ہدایہ جلد اول،کتاب الحج،باب الھدی **(۵)** قدوری،باب الھدی **(۶)** تنقیح الضروری حاشیۃ قدوری

بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں،اور زید کے پیش کردہ حوالہ پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اول: شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو **باب الھدی** میں بیان کیا ہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتا ہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم: علی طریق التنزیل یہ ثابت بھی ہوجائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابو عبیدہ کسی نے تصریح کی ہے۔ خطام کے معنی گراؤں کے ہیں۔

سوم: کتاب عمدہ الرعایۃ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے۔ تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے، فقط تام ہوا کلام بکر کا، بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب:

انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کرکے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بنا ہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسی یا خود اس میں رسی باندھیں، اس حلقے کو برہ بضم موحدہ وفتح رائے مخففہ اور لکڑی کو خشاش بالکسر، اور فارسی میں مہار بالفتح، اور بالوں کے چھلے کو عربی میں میں حرامہ، اور سب کو زمام بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر، نیز اسے بھی عربی وفارسی میں زمام ومہار اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں، یہ اس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے اور اکثر ناقہائے سواری میں یہی مستعمل ہے۔ کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا، گرا دینے کا احتمال رہتا ہے۔ دوسرا یہ کہ رسی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش ہار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں مہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔ اسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادہ خطام اس کی مساعدت کرتا ہے کہ وہ خطم بمعنی بینی سے ماخوذ ہے۔ نہایہ ابن اثیر ومجمع البحار میں ہے:

خطام البعیر ان یوخذ حبل من لیف اوشعر اوقطان فیجعل فی احدطرفیہ حلقۃ ثم یشد فیہ الطرف الاٰخر حتی یصیر کالحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ واما مایجعل	اونٹ کی خطام یہ ہے کہ کھجور کی چھال یا بالوں یا کائی سے رسی بنا کر اس کے ایک طرف حلقہ بنایا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہوجائے، پھر اسے اونٹ کی گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے، اور وہ باریک رسّی جو

فی الانف دقیقا فھو الزمام[83]۔	ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔(ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے:

الخطام الحبل یجعل فی طرفه حلقة ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمه[84]۔	خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرح حلقہ بنا کر اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جاتا ہے۔ پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

خطام البعیر معروف وسمی بذٰلك لانه یقع علی خطمه[85]۔	اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کا خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

قال ابن شمیل ھو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفه کان من جلد اوصوف اولیف اوقنب[86]۔	ابن شمیل نے کہا خطام ہر اس رسی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر گرہ لگادی جاتی ہے چاہے وہ رسی چمڑے کی ہو یا اون کی ہو یا کھجور کی چھال کی ہو یا سن کی ہو۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

(خطام)ھو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی اُنفه[87]۔	(اس کی خطام) وہ رسی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔(ت)

قاموس میں ہے:

الخطم من الدابة مقدم اُنفها وفمها۔	چار پائے کا خطم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

[83] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۷۱، النھایۃ لابن اثیر باب الخاء تحت لفظ خطم المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا ریاض ۲/ ۵۰

[84]

[85] المصباح المنیر الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۷

[86] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[87] جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۳۸

والخطام کل ما وضع فی انف البعیر لیقاد بہ[88]۔	کہتے ہیں، اور خطام اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے: کذا فی المحکم[89] (محکم میں یوں ہی ہے۔ ت) بحر الرائق میں ہے:

الخطام ھو الزمام وہو ما یجعل فی انف البعیر[90]۔	خطام زمام ہی ہے اور یہ اسی شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ (ت)

درر ثمین میں ہے:

الخطام الحبل الذی یقاد بہ البعیر[91]۔	خطام وہ رسی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں کرمانی سے ہے:

بخطام عـــہ او بزمامہ وھما بمعنی والشك فی تعیینہ وھو بکسر خاء خیط یشد فیہ الحلقۃ المسماۃ	(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اس کی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعیین میں ہے۔ اور خطام خاء کے کسرہ کے

عـــہ: ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قعد علی بعیرہ وامسك انسان بخطامہ او بزمامہ الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز[92]۔

یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکرہ سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل کو تھام رکھا تھا، الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[88] القاموس المحیط فصل الخاء من باب الجیم مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۹

[89] تاج العروس فصل الخاء من باب الجیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[90] بحر الرائق کتاب الحج باب الھدی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۷۲

[91] الدر الثمین

[92] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

بالبرة،ویشد فی طرفه المقود[93]۔	ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے۔(ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے:

البرة حلقة تجعل فی لحم الانف،وربما کانت من شعر[94]۔	برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور بسااوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے۔(ت)

اس میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے:

حلقة یشد بها الزمام[95]۔	وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔(ت)

نیز امام نوری سے ہے:

الزمام مایجعل فی البعیر دقیقا وقیل مایشد به رؤسها من حبل وسیر[96]۔	زمام اس باریک رسی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔(ت)

مصباح منیر میں ہے:

قال بعضهم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرة اوفی الخشاش ثم یشد الیه المقود ثم سی به المقود نفسه[97]۔	ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ(حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

الزمام هو الحبل الذی یجعل فی البرة والخشبة قال الجوهری اوفی الخشاش	زمام اس رسی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے۔جوہری نے کہا یا اس کو خشاش(لکڑی)

---

[93] مجمع البحار باب الخاء مع الطاء مکتبه دار الایمان المدینة المنورة ۲/ ۷۲

[94] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبه دار الایمان المدینة المنورة ۱/ ۱۸۷

[95] مجمع البحار باب الباء مع الراء مکتبه دار الایمان المدینة المنورة ۱/ ۱۸۷

[96] مجمع البحار باب الزاء مع المیم مکتبه دار الایمان المدینة المنورة ۲/ ۴۴۰

[97] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت الزمام مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

ثم یشد فی طرفه المقود وقد یسمی المقود زماما[98]۔	میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے اور کبھی اس رسی کا نام زمام رکھا جاتا ہے۔(ت)

صراح میں ہے:

خشاش بالکسر چوب کہ در بینی شتر کنند وہرچہ از مس باشد آں رابرہ گویند، وآنچہ از موئے آں راخزامہ[99]۔	خشاش خاء کے کسرے کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے پیتل کی جو شے اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہو تو اسے خزامہ کہتے ہیں۔(ت)

اسی میں ہے: خطام بالکسر مہار[100] (خطام کسرہ کے ساتھ مہار۔ت) اسی میں ہے:

زمام بالکسر مہار درشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند وبروئے مہار بندند[101]۔	زمام کسرہ کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی ہوئی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں اور اس پر مہار باندھتے ہیں۔(ت)

برہان میں ہے:

مہار بالفتح چوبیکہ در بینی شتر کنند وریسما براں بندند[102]۔	مہار فتحہ کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں۔(ت)

قاموس میں ہے: الخزامة ککتابة البرة[103] (خزامۃ بروزن کتابۃ حلقہ کو کہتے ہیں۔ت) تاج میں ہے:

وھی حلقة من شعر تجعل فی وترة انفه یشد بھا الزمام کمافی	اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

[98] تاج العروس فصل الزاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۲۸
[99] الصراح من الصحاح باب الشین فصل الخاء مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۷
[100] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ص ۴۶۸
[101] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ۴۷۵
[102] برہان
[103] القاموس المحیط باب المیم فصل الخاء مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۶

الصحاح، وقال اللیث ان کانت من صفر فھی برۃ وان کانت من شعر فھی خزامۃ[104]۔	رسی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔لیث نے کہا اگر وہ حلقہ پیتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگر وہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامہ کہا جاتا ہے۔(ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیہ فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جملا کان لابی جھل فی راسا، برۃ من فضۃ۔وفی روایۃ من ذہب یغیظ بذٰلك المشرکین[105]۔	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ فرمائے ان میں ایک اونٹ ابو جہل کا تھا جس کے سر (ناک) میں چاندی کا ایک چھلا تھا، ایک روایت ہے کہ سونے کا چھلا تھا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لے ایسا کیا تھا۔(ت)

مرقاۃ میں ہے:

(فی راسہ)ای انفہ فان البرۃ حلقۃ من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسہ علی الاتساع[106]۔	(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں کیونکہ برہ پیتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور اصمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے ایک طرف ڈالا جاتا ہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا۔(ت)

مجمع البحار میں طیبی سے ہے: جعلہ فی الرأس اتساعا[107] (اس حلقہ کو سر میں قرار دینا بطور مجاز ہے۔ت) سلمہ بن سحیم کی حدیث میں ہے:

---

[104] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۷۴۔۲۷۳

[105] سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۴

[106] مرقاۃ المفاتیح کتاب المناسك الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۵۲۸

[107] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الرائ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۷۸

ان صاحبا لنارکب ناقة لیست بمبراة فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم غرر بنفسه[108]۔	ہمارا ایک ساتھی بغیر نکیل کے اونٹنی پر سوار ہوا اور گر گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔ (ت)

نہایہ میں ہے:

لیست بمبراة ای لیس فی انفها برة یقال ابریت الناقة فهی مبراة[109]۔	"وہ اونٹنی مبراۃ نہیں تھی" کا معنی یہ ہے کہ اس کی ناک میں برہ (حلقہ) نہیں تھا کہا جاتا ہے کہ میں نے اونٹنی کو حلقہ ڈالا تو وہ مبراۃ (حلقہ والی) ہو گئی (ت)

عمدۃ الرعایۃ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے۔ مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے۔ اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے۔ اس میں زمام گردن نہیں بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بنی صادق نہیں، حدیث کہ اس میں صحیح بخاری ومسلم کی طرف نسبت کی۔ جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا:

تصدق بجلالها وبخطمها، ولا تعطی اجرة الجزار منها[110]۔	قربانی کے جانور کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کردیا جائے اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت نہ دیا جائے۔ (ت)

غلط صریح ہے۔ نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں، نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون، صحیح بخاری میں بدنہ بدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث پانچ جگہ روایت کی۔ ۱باب الجلال للبدن۔ ۲باب التصدق بجلود البدن، ۳باب بتصدق بجلال البدن، ۴باب الوکالة۔ ۵باب الایوتی الجزار من الهدی شیئا اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی، دسویں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے۔ نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول وخامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہ الکریم سے ہیں:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان اتصدق بجلال البدن	رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے قربانی کے ان جانوروں کی جھلوں اور چمڑوں کو

[108] النهایة لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبة الاسلامیه لصاحبها ریاض ۱/۱۲۲

[109] النهایة لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبة الاسلامیه لصاحبها ریاض ۱/۱۲۲

[110] عمدة الرعایة حاشیه شرح الوقایة کتاب الحج باب الهدی المکتبه الرشیدیه دہلی ۱/۳۶۴

التی نحرت و بجلودھا[111]۔	صدقہ کرنے کا حکم دیا جن کو ذبح کیا گیا تھا۔(ت)

دوم میں:

امرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا و جلودھا[112]۔	رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم کردیا پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں ان کے جھلوں کو تقسیم کردیا۔(ت)

سوم میں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا[113]۔	بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے ہوجائیں اور ان کا گوشت جھل اور چمڑے سب تقسیم کردیں۔(ت)

چہارم میں:

اھدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومھا فقسمتھا ثم امرنی بجلالھا فقسمتھا، ثم بجلودہا فقسمتھا[114]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے لئے سو اونٹ بھیجے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت تقسیم کروں تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کے چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا،(ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمھا و جلودھا و اجلتھا[115]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہوجاؤں اور ان کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کردوں(ت)

---

[111] صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

[112] صحیح البخاری باب لایعطی الجزار من الھدی شیئا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[113] صحیح البخاری باب التصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[114] صحیح البخاری یتصدق بجلال البدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[115] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودہا وجلالھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری **وزادفی المساکین**[116] (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کرو۔ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر بیشی ہے۔اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایۃ میں مذکور صحیحین بلکہ متداولہ حدیث میں کہیں نہیں، جیسا کہ لامع ارشاد الساری وشرح مؤطا سے ظاہر، علامہ قسطلانی نے فرمایا:

قال صاحب الکواکب وفیہ انہ لایجوز بیع الجلال و لا جلود الھدایا والضحایا کما ھو ظاہر الحدیث اذ الامر حقیقۃ فی الوجوب اھ.وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذٰلك صیغۃ افعل لالفظ امر[117]۔	صاحب کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیسا کہ حدیث کا ظاہر ہے کیونکہ امر حقیقتًا وجوب کے لئے ہے۔اھ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لیے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغہ **اِفعل** ہے نہ کہ لفظ امر۔(ت)

شرح علامہ زرقانی میں ہے:

فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذٰلك الجل ولفظ امر لایقتضی الوجوب لان ذلك فی صیغۃ افعل لالفظ امر[118] اھ و رأیتنی کتبت علی ہامش الارشاد مانصہ **اقول**:لیس قول امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیك التصدق۔	اس میں قربانی کے جانوروں پر جھل ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔اور لفظ امر وجوب کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی تو صیغہ افعل ہے نہ کہ لفظ امر اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس کا امر کہنا محض حکایت ہے امر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حکایت ہو علیك بالتصدق (تجھ پر لازم ہے۔ت) جیسے الفاظ سے۔(ت)

[116] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایۃ وجلودھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[117] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دارالکتب العربی بیروت ۳/ ۲۲۲

[118] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی القاہرہ ۲/ ۳۲۷

ذکر خطام کے لئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایہ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا اسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا:

لم ار فی شیئ من طرقہ ذکر الخطام[119]۔	میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکر خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف سے اس کی نسبت لفظاً و معنی ہر طرح غلط ہے۔ ہاں ہدایہ باب الھدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور اور کتاب الاضحیہ میں بلفظ:

تصدق بجلالھا وخطامھا ولا تعط اجر الجزار منھا شیئا[120]۔	قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت مت دے۔(ت)

اسی طرح کافی امام نسفی باب الھدی میں یہی لفظ دوم ہیں: الا لفظۃ الاجر[121] (سوائے لفظ "اجر" کے۔ت) نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیہ میں۔ الا لفظۃ شیئا[122] (سوائے لفظ "شیئا" کے۔ت)

اقول: تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں، امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشاع ذکر کرکے فرمایا:

قصور نظرنا اخفاھما عنا[123]۔	ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔(ت)

یونہی حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علماء کرام کا ادب ہے بخلاف جہال زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کرمک سنگ سے بڑھ کر وقوف نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[119] الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ کتاب الحج باب الھدی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۲/ ۵۴

[120] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[121] کافی شرح الوافی

[122] بدائع الصنائع کتاب التضحیۃ فصل واما بیان مایستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۸۱

[123] فتح القدیر

تو حدیث مذکور میں صدقہ خطام کا عنداللہ حکم ہے مگر وہ حدیثًا وفقہًا صرف جلال وخطام شتران ہدی کے بارے میں ہے۔ قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال وخطام کا بھی کہیں ذکر نہیں، اب رہا قیاس، وہ مجتہد سے خاص، اس کا کسے اختیار، اور دلالۃ النص **اقول**: اس کی بھی گنجائش نہیں نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنی ہدی میں ہے۔ نہ یہ جھولیں ان جلال سے نہ گلے کی رسیاں اس خطام کے مثل۔

اول: تو ظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح ونحر نہیں کرسکتے۔

قال اللہ تعالٰی "ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝" [124] وقال تعالٰی "هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ" [125]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا پھر ان (ہدی کے جانوروں) کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچی۔ (ت)

اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے۔ تو ہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہٰذا کیا مستبعد کہ اصل اجزائے متقرب بہ یعنی لحم وجلد میں حکم یکساں ہو اور زوائد ومضافات کی طرف جو سرایت صاحب خصوص میں ہوئی، اضاحی میں نہ ہو، ولہٰذا بدائع وہدایہ وکافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارہ لحم وجلد اضحیہ استناد کیا اور جلال وخطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے، اضحیہ میں ان پر دو اقتصار اور ان دو کا ترک اور اس ترک واقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے۔

دوم: یہ کہ وہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کے لئے بنائی جاتی ہے اگرچہ وہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں وہ ۱خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں اور ۲روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتی ہیں، اور ۳ان کے لئے ان کا بنانا سنت ہے۔ ۴تقلید واشعار کی طرح شعائر اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے۔ بدنہ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ یا بٹے ہوئے قلادے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے۔ اور ان کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

---

[124] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[125] القرآن الکریم ۵/ ۹۵

[5] علمائے کرام نے فرمایا: ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے۔ ہدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور [6] مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اتار کر تہہ کرکے رکھ چھوڑتے، [7] عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نحر انھیں کعبہ معظّمہ کا غلاف کرتے جب سے بیت مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

[8] علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھونتا نہ لگے ان میں سے کون سا حرف قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے کہ یہ ان کے معنی میں ہوں۔

امام اجل ابو زکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

فی ہذا الحدیث فوائد کثیرۃ منہا استحباب سوق الھدی وانہ یتصدق بلحومہا وجلودہا وجلالہا و انہا تجلل واستحبوا ان یکون جلا حسنا،قال القاضی التجلیل سنۃ وھو عند العلماء مختص بالابل وھو مما اشتھر من عمل السلف قالوا ان یکون بعد الاشعار لئلا یتلطخ بالدم قالوا ویستحب ان تکون قیمتہا نفاستہا بحسب حال المھدی،وکان بعض السلف یجلل بالوشی وبعضھم بالحبرۃ وبعضھم بالقباطی والملاحف والازر،قال مالک اما الجلل فتنزع فی اللیل لئلا یخرقہا الشوک قال واستحب ان	اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانوروں کے گوشت،چمڑوں اور جھلوں کو صدقہ کیا جائے،اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے، اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنت ہے۔اور علماء کے نزدیک وہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوہان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وہ خون میں لتھڑ نہ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت وعمدگی میں قربانی روانہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں بعض یمنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں۔ لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے،امام مالک نے فرمایا۔ جھلوں کو رات

کانت الجلال مرتفعة ان لایجللها حتی یغدوالی عرفات ان کانت بثمن یسیر فمن حین یحرم یجلل (ملخصاً)[126]	کے وقت اتار لیا جائے تاکہ کانٹے انھیں پھاڑ نہ دیں، اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اگر جھلیں گراں قیمت ہوں تو عرفہ کے دن عرفات کی طرف روانگی سے قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہو تو احرام باندھتے وقت ہی پہنادے (ملخصاً) (ت)

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وھو الذی یطرح علی ظھر الحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل وہذا من حیث العرف، و لکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء ونحوها قال ابن بطال کان مالك و ابو حنیفة والشافعی یرون تجلیل البُدن[127]۔	جلال جل کی جمع ہے۔ اور وہ اس شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے۔ یہ عرف کے اعتبار سے ہے۔ لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جھل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے۔ ابن بطال نے کہا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی ہدی کے جانوروں پر جھل ڈالنے کو جائز سمجھتے تھے۔ (ت)

امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان کانت بدنة قلدها بمزادة اونعل والتقلید احب من التجلیل لان التقلید ذکر فی القراٰن قال اللہ تعالٰی ولا القلائد ولا ذکرللتجلیل فیه، وان کان کلاهما ثابتا بالسنة لان هدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کانت مقلدة مجللة ولانه قد تجلل البدنة لاعلی وجه التقرب بخلاف التقلید[128]۔	اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا ہار پہنادے اور ہار پہنانا جھل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ولا القلائد (اور نہ وہ جنھیں ہار ڈالے گئے) اور جھل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جھل پہنائے گئے تھے اور اس لئے بھی کہ جھل کبھی بلانیت تقرب

[126] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقة بلحوم الهدایا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴۔۴۲۳

[127] عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارة الطباعة المنیریة بیروت ۱۰/ ۴۴۔۴۵

[128] الکافی شرح الوافی

	پہنائے جاتے ہیں بخلاف ہار پہنانے کے (کہ یہ بنیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔(ت)

مؤطا شریف میں ہے:

مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنہما کان یجلل بدنۃ القباطی و الانماط و الجلل، ثم یبعث بہا الی الکعبۃ فیکسوھا ایاہا، مالك انہ سأل عبدالله بن دینار ماکان عبدالله بن عمر یصنع بجلال بدنہ حین کسیت الکعبۃ عن الکسوۃ۔ قال کان یتصدق بہا[129]۔	حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور حلوں کی جھلیں پہناتے پھر ان جھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلاف کعبہ بناتے، امام مالک سے مروی ہے حضرت عبدالله بن دینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جانے لگا تو حضرت عبدالله ابن عمر رضی الله تعالٰی عنہما اپنے قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو کیا کرتے تھے تو انھوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کردیتے تھے۔(ت)

ابن المنذر نے بطریق اسامہ بن زید نافع سے روایت کی:

ان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنہما کان یجلل بدنہ الانماط والبرود والحبر حتی یخرج من المدینۃ ینزعہا فیطویہا، حتی یکون یوم عرفۃ فیلبسہا ایاہا حتی ینحرہا ثم یتصدق بہا، قال نافع وربما دفعہا الی بنی شیبۃ[130]۔	بیشک حضرت ابن عمر رضی الله تعالٰی عنہما اپنے بدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، دھاری دار اور منقش یمنی چادروں کی جھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ ان جھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنادیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جھلیں اتار لیتے بعد ازاں ان کو صدقہ کردیتے، حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔(ت)

اقول: اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی الله تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف

---

[129] مؤطا الامام مالك کتاب الحج باب العمل فی الهدی حین یساق میر محمد کارخانہ کراچی ص ۴۰۰

[130] شرح الزرقانی علی المؤطا بحوالہ ابن منذر کتاب الحج دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۲۷، فتح الباری بحوالہ ابن المنذر کتاب المناسك باب الجلال للبدن دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳۹

میں سو۱۰۰ اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کما تقدم عن صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری سے گزرا ـــــــ ت) حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ / ذی الحجہ ۱۰ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ عــــہ ۶۳۲ء تھی۔ ولہٰذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں، صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا:

الزمان قد استدار کھیئتہ، یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شھر ھذا قلنا اللہ ورسول اعلم۔ قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا قلنا اللہ ورسول اعلم، قال الیس یوم النحر[131]۔	زمانہ اس دن کی ہیئت پر گردش کررہا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے زمین وآسمان پیدا فرمایا تھا۔ اسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔ (ت)

امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدء الخلق میں۔ پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا:

حیث قال زعم یوسف بن عبدالملك فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ہذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر مارس، وھو ادار	جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبدالملک نے اپنی کتاب تفصیل الازمنہ میں کہا ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں اُدار اور

عــــہ: یعنی اس وقت کی تعبیر میں ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب سے دسویں مارچ تھی، جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ۔

[131] صحیح البخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۲

بالرومیة وہو برمہات بالقبطیة وفیه یستوی اللیل والنہار عند حلول الشمس برج الحمل[132]۔	قبطی برمہارت ہے۔اور اس مہینہ میں سورج کے برج حمل میں حلول کرنے کے وقت رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول: مراد یہ ہے کہ اس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج عہ الغ بیگی سلطان اور زیج عہ۱ احد بہادر خانی اور دوزیجوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظّمہ دہم ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجریہ مطابق یازدہم عہ۲ ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصا مکہ معظّمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے۔نہ رات کو برف نہ دن کو لو، نہ برسات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالتے ہیں،

[132] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دار المعرفة بیروت ۶/ ۲۱۱،ارشاد الساری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۵۵

ان کا اصلا نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں، تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں۔

سوم: یوں کہ خطام ہدی وہ شیئ ہے کہ اسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے۔ تو قربانی کی رسیاں اس کے برابر نہیں ہو سکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسیوں میں اور بھی فرق ہے۔ شتر نحر کیا جاتا ہے اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں جل وخطام دونوں وقت نحر اس سے جدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹا کر ذبح کی جاتی ہے۔ اس وقت ان کی رسی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول تھی، وہ بھی اتار لیتے ہیں، تو وقت تقرب الی اللہ رسی اور جھول ان کے بدن سے جدا ہوتی ہے۔ اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہے، اور وہ نہیں گر باوصف انفضال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اس ناند اور طشت کا بھی جس میں اسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ اس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں، عمدۃ القاری وفتح الباری شروح وصحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال ہدی کی یہ وجہ نقل کی فرمائی کہ اس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا۔

حیث قالوا قال المهلب لیس التصدق بجلال البدن فرضا وانما صنع ذٰلك ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما لانه ارادان لایرجع فی شیئ اہل به للّٰه ولا فی شیئ اضیف الیه[133]۔	جہاں انھوں نے فرمایا مہلب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو صدقہ کرنا فرض نہیں، سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے تو محض اس لئے ایسا کیا کہ آپ اللہ تعالٰی کے لئے ذبح کئے ہوئے اور اس کی طرف منسوب کئے ہوئے جانوروں کی کسی شیئ کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتے تھے (ت)

اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر ہے کہ قربانی پر لبیک کہاں اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو یہ بھی ان اشیاء کو شامل نہ ہو گا جو وقت نحر وذبح اس کے بدن پر نہ تھیں۔

اقول: اور اول اولٰی ہے کہ حکم جل وخطام کی نسبت آیا، قماط جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سو کے سو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدست انور، ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا،

---

[133] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۵، فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳۹

حالانکہ ضرور وقت نحر بدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقہ مسنونہ نحر کی ضامن ہوئیں، میں زیاد بن جبیر سے ہے:

رأیت ان عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنته ینحر قال ابعثها قیاما مقیدۃ سنة محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[134]۔	میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا آپ ایک ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کرکے باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

مقیدۃ معناہ معقولة برجل وھی قائمة علی الثلاث[135]۔	مقیدہ کا معنی ہے کہ رسی سے اس کا ایک پاؤں باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔ (ت)

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں، رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے۔ اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، **ومن ادعی فعلیہ البیان** (جو دعوی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ ت) ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے ان پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسب حثیت مزین وبیش بہا کرے۔ اور اس سے شعائر اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس سے باز رہنا اسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، **کما بینا فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[134] صحیح البخاری کتاب المناسك باب نحر الابل المقیدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۱، صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نحر الابل قیاما معقولا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[135] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب نحر الابل المقیدۃ ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۱۰/ ۵۰